دار العلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم حقانیہ
مدیر مسئول: مولانا سمیع الحق

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد 32
شمارہ 6
ذی القعدہ 1417 ھجری
مارچ 1997ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

بیاد	مدیر اعلی	مدیر
حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی	حافظ راشد الحق سمیع

مدیر معاون: مولانا عبدالقیوم حقانی — ناظم شفیق فاروقی

اس شمارے کے مضامین

فون نمبر : 05231_630340

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ سرحد پاکستان سالانہ بدل اشتراک
اندرون ملک فی پرچہ ۱۵/ روپے سالانہ ۱۵۰/ روپے، بیرون ملک ۲۰ امریکی ڈالر
پبلشر، سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ ..... منظور عام پریس پشاور

نقشِ آغاز

حافظ راشد الحق سمیع

موجودہ حکومت اور علماء کرام سے چند گزارشات

ملک میں نئی حکومت قائم ہوئے تقریباً دو ماہ کا عرصہ گزرنے والا ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی انقلابی کام یا واضح پالیسی نہیں اپنائی گئی۔ بلکہ ایک مکمل کابینہ کی تشکیل بھی معرض وجود میں نہیں آئی ہے اور اب تک جن "ناموافراد" کی نامزدگیاں ہوئی ہیں۔ وہ لوگ خود کرپشن اور کئی دیگر الزامات میں ملوث ہیں۔ اسی طرح بھاری مینڈیٹ حاصل کرنے والی مسلم لیگ کی حکومت اور احتساب اور "نظام خلافت راشدہ" کی دعویدار جماعت عوامی نیشنل پارٹی کے ہاتھوں بالآخر مجبور ہو گئی۔ بلکہ بلیک میل ہوئی اور اپنے منشور کے اہم دفعے کی خلاف ورزی اپنی پہلی ہی فرصت میں شروع کردی۔ اے۔ این۔ پی کے اعظم ہوتی اور فرید طوفان اور دیگر وزراء جو کرپشن اور بدعنوانیوں میں ملوث تھے۔ اب دربار حکومت کی ضرورت بن گئے ہیں۔ اسی طرح کے اور کئی انقلابی اقدامات شروع کئے گئے ہیں۔ ع

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

صدر لغاری کے ساتھ "ڈیل" کے سلسلے میں سینٹ اور پنجاب کی گورنری سمیت کئی اہم امور میں آج میاں نواز شریف نے اپنے تمام سابقہ سنگین الزامات جو انہوں نے صدر مملکت پر بحیثیت اپوزیشن لیڈر لگائے تھے۔ اسی طرح سندھ میں سولہ ارکان پر مشتمل وزراء کا "بحری بیڑہ" وزیراعظم کے خود کفالت اور کفایت شعاری کے اعلان سمیت دیگر ایشوز کو بہا کرلے گیا۔ اسی طرح ملک کے وزیراعظم ایک چھوٹی سی علاقائی لسانی جماعت عوامی نیشنل پارٹی کے رہنماؤں کی یاترا کرنے بار بار تشریف لائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پورا ملک اور قوم بھاری مینڈیٹ کی کامیابی حاصل ہونے کے باوجود اس طرح کی حاضریوں پر حیران و پریشان ہے۔ بالآخر انہوں نے ڈنکے کی چوٹ پر اپنا مطالبہ منوالیا۔ اور وہی ہوا جو وہ لوگ چاہتے تھے۔ اب کیا ان روایتی مصلحت کیشیوں اور مداہنت کے باجود بھی عوام ان کے انقلاب کے نعروں پر یقین کریں گے۔ مارکیٹ میں آٹا غائب ہے۔ مہنگائی دوگنی ہوگئی ہے۔ عوام اسی طرح زبوں حال اور پریشان حال ہیں۔

وہی حالات ہیں فقیروں کے — دن پھرے ہیں فقط وزیروں کے

وہی دہشت گردی، بدامنی اور کرپشن زوروں پر ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ حکومت نے جو غیر اسلامی اقدامات شروع کئے ہیں۔ آسمانی آفات وبلیات اور حوادث نے بھی اس بدقسمت قوم کو اپنی گرفت میں لیا ہے۔ یہ چند اقدامات تھے اور نئی حکومت کا مختصر جائزہ تھا۔ اب ہم سادہ الفاظ میں ان لوگوں سے

مخاطب ہیں۔ جن کو خوابوں وعدوں اور سرابوں کے پیچھے بھاگنے میں لطف ملتا ہے، اور جو بہت جلد نئے نعرے سے بیوقوف بنائے جاتے ہیں۔ جن کو اس کی توقع ہے کہ ملک کے دگرگوں حالات اور شب وروز مسلم لیگ یا پیپلز پارٹی یا پھر مغربی جمہوریت کے ذریعے آخر کار درست ہوں گے تو وہ لوگ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ یا پھر ان کی عقلوں پر ماسوائے انااللہ کے کیا پڑھا جاسکتا ہے۔ ہم یہاں پر اس نئی حکومت پر بلاوجہ تنقید نہیں کرنا چاہتے اور مخالفت برائے مخالفت کی پالیسی نہیں چاہتے، بلکہ ان کو موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنے "وعدوں" کی روشنی میں ملک وقوم کی کیا بھلائی کرتے ہیں؟ اور کیا کیا "سنہرے کارنامے" سرانجام دیتے ہیں۔ ان کو ہمیشہ یہ گلہ رہتا تھا کہ ہماری اکثریت نہیں ہے۔ حکومت مضبوط نہیں اس دفعہ تو تاریخی "سرفرازی" نے ان کے تمام گلے شکوے دور کردیئے۔ دیکھئے ملک وقوم اس دفعہ اس حکومت سے کیا فیض پاتے ہیں۔؟

دیکھئے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

اب ہم یہاں پر دینی و مذہبی قائدین کی خدمت میں چند گذارشات پیش کرنے کی جسارت کرتے ہیں

آپ کی الیکشن کی سیاست بھی خوب جی بھر کے ہو گئی۔ مغربی جمہوریت کی کھیتی بھی برگ وبار سمیت سامنے ہے۔ اور اس کے فوائد سے بھی آپ کو خوب لطف اندوزی کا موقع ملا۔ الیکشن اور جمہوریت اور اس کی تمام تر "حشر سامانیاں" اور نتائج آپ سب کے سامنے ہیں۔ اس سارے "پروسیس" میں آپ لوگوں کو کیا ملا۔ اور آپ کے ہاتھ کیا آیا۔ اور آج آپ حضرات کہاں اور ملکی سیاست کے کس موڑ پر کھڑے ہیں۔ پچاس سالہ تاریخ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ پارلیمانی سیاست میں اس دنیادار طبقہ و بیورو کریٹس، سرمایہ دار وجاگیردار، مسلم لیگ وپیپلز پارٹی اور دیگر کئی "خفیہ قوتوں" نے آپ لوگوں کو کس طرح دائرے سے باہر لا کھڑا کردیا ہے اور آپ کو اس نظام میں سوائے محرومیوں کے کچھ ہاتھ نہیں آنے دیا۔ تو ایسے بدترین حالات اور تلخ ترین تجربات کی روشنی میں آپ کے مستقبل کا کیا لائحہ عمل ہو گا؟ اور آپ کے کیا مقاصد و عزائم اور مطالب ہیں کیا پھر ان کو اتار کر دوبارہ پرانے چہروں کی تبدیلی سے اس "کارخیر" کو دوام بخشیں گے۔ اور کیا بساط سیاست پر ان فرسودہ مہروں کے اس کھیل کو جاری رکھنا پسند کریں گے۔ یا پھر مایوس اور دلبرداشتہ ہوکر دنیا ومافیہا سے اعراض کرکے گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر تقدیر کو کوستے رہیں گے۔ خدارا اٹھیئے اور اپنی غلط پالیسیوں پر نظر ڈالیں اپنا محاسبہ آپ کیجیئے "رسم شبیری" ادا کریں ---
امام شاہ ولی اللہ، امام ابن تیمیہ، اور امام شاہ اسماعیل شہید رحمہم اللہ صرف مدارس اور مکاتب کے نمائندے نہ تھے بلکہ انہوں نے خود بھی میدان عمل میں اپنے پاکیزہ کردار اور مجاہدانہ عمل سے ہمارے لئے بہت ساری راہیں کھول دی ہیں ان کے حقیقی جانشین بننے کی کوشش کریں اپنی اپنی سیاست کا قبلہ درست فرمائیں اس سیاست کے "کوئے ملامت" سے نکل جائیے اور کف افسوس ملنے کی بجائے آئندہ چند سال

قوم کی صحیح تربیت میں صرف کریں ان کے سوئے ہوئے ضمیر کو جھنجھوڑیں ان کو اسلام کے فلسفہ انقلاب سے روشناس کرائیں۔ اور انکے اندر نظم ونسق اتحاد واتفاق اور ہم آہنگی پیدا کریں۔ اگر آپ ایسا کر سکے تو آئندہ کوئی الیکشن نہیں ہوگا۔ بلکہ اس تیار کردہ زمین سے ایک نئی فصل اٹھے گی۔ نئے دور کی پکار غور سے سنیں حالات کے تقاضوں کا ادراک کریں ملک و قوم اور خود اپنے ہی تشخص کی حفاظت کیلئے کمربستہ ہو جائیں مستقبل آپ کا ہے۔

کیا ہوا "آج" اگر آپ کا نہیں کل کا دن ہاتھ سے گیا نہیں لیکن اس کے لئے صبر واستقامت اور حوصلہ و تدبر ضروری ہے۔

آپ لوگ کب تک اپنی پچاس سالہ ناکامیوں اور شکستگیوں کی "لاش" کندھوں پر لئے پھریں گے اور کب تک ناسازگار حالات، ناسمجھ قوم اور وسائل کی عدم دستیابی کا رونا روتے رہیں گے۔

اہل ہمت نے ہمیشہ ایسے ہی حالات میں اپنا راستہ نکالا ہے ہر دور میں اصحاب دعوت وعزیمت نے ہر باطل کا مقابلہ کیا ہے۔ سمندروں سے لڑے۔ چٹانوں سے ٹکرائے ہیں۔ دشت وصحرا ان کے راستے کی رکاوٹ نہ بن سکے اور منزل مقصود تک جا پہنچے۔ تقدیر کو الزام دینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا محض تقریر و تحریر سے آپ اپنے فرائض سے عہدہ براہ نہیں ہو سکتے ---- مجھ..... تقریر نہ کر تاثیر دکھا

صف ماتم لپیٹئے اور "طالبان نجات" بن کر ملک وملت کو اس فرسودہ نظام سے نجات دلائیے۔

(موجودہ حکومت بھی اپنی پرانی ڈگر پر جارہی ہے ان سے کسی خیر کی طمع فضول ہے)

کب تک دوسروں کے قافلوں کے "حدی خواں" بنے پھریں گے۔ مسلکی، فروعی اور ثانوی درجے کے اختلافات کی گرداب سے نکل جائیے۔ ایک ہی تسبیح کے دانے بنئے ایک ہی منبر و محراب کی آبرو بنئے،

رشتہ الفت میں جب ان کو پرو سکتا تھا تو پھر پریشاں کیوں تیری تسبیح کے دانے رہے

آپ حضرات تو انبیاء کے وارثین ہیں۔ توکل، عزم اور ثبات کا مظاہرہ کیجئیے۔ حکومت، خلافت سیادت، قیادت آپ ہی کی "متاع گم شدہ" ہے۔ مگر اس کو دوبارہ حاصل کرنے کیلئے عظیم جدوجہد کی ضرورت ہے

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

عالم اسلام کی عظیم المرتبت شخصیت اور نابغہ روزگار حنفی عالم

الشیخ استاد عبدالفتاح ابوغدہ کا سانحہ ارتحال

گذشتہ دنوں عرب وعجم بلکہ عالم اسلام کے علمی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ جب عالم اسلام ایک نامور فرزند بطل جلیل مایہ ناز محقق، محدث، فقیہ، عالم اور متعدد بلند پایہ کتابوں کے مصنف جناب الشیخ استاد عبدالفتاح ابو غدہ کے انتقال کی وجہ سے محروم ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

زمیں لوگوں سے خالی ہو رہی ہے یہ رنگ آسمان دیکھا نہ جائے

موصوف عرصہ دراز سے متعدد بیماریوں کا شکار رہے۔ بالآخر امسال ۱۲ فروری کو سعودی عرب کے شہر ریاض میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ موصوف ایک ہمہ جہت اور ہشت پہلو شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے زندگی بھر مختلف محاذوں پر کام کیا اور بڑے بڑے جامعات میں استاد رہے۔ برصغیر کے مدارس اور علماء سے کافی لگاؤ تھا۔ عالم عرب میں فقہ حنفی کے لئے جو کام انھوں نے کیا شاید ہی بیسویں صدی میں کسی دوسرے شخص کے

حصہ میں آیا ہو۔
مرحوم علامہ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے۔ آپ شیخ ابوالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی کثرت مطالعہ کی صفت کی وجہ سے "دودا لکتب" کہا کرتے تھے۔ شیخ ناصر الدین البانی کے ساتھ آپ کے اکثر تحریری مناظرے ہوئے ہیں۔ برصغیر کے علماء میں سب سے زیادہ مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے مداح تھے۔ آپ نے مولانا مرحوم کی مشہور تالیف "الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل" کی دو جلدوں میں تحقیق فرمائی ہے۔ اسکے علاوہ ان کی کتاب "الاجوبۃ الفاضلۃ" پر تعلیقات بھی آپ نے کی ہیں۔ یعنی "التعلیقات الحافلۃ" (۱) مولانا شاہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی کتاب التصریح بما تواتر فی نزول المسیح پر مفید حواشی بھی تحریر فرمائی ہیں۔
مرحوم نے اپنی ساری زندگی انتہائی تکالیف میں گزاری۔ لیکن اس کے باوجود بھی اپنا علمی و تحقیقی مشغلہ نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطاء فرمائے۔ (آمین)

مغربی سائنسدانوں کے ہاتھوں انسانیت موت کے دروازے پر

ہمیشہ کی طرح مغرب اور یورپین سائنسدانوں نے پھر انسانیت کو اپنی تحقیقیات و تجربات، موشگافیوں اور سائنسی تیشے سے مشق ستم بنانے کی کوشش کی ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ ان کے سائنسی ترقیوں نے انسانوں کو فائدے کے بجائے نقصان زیادہ دیا ہے۔ اور آج انسانیت اور دنیا انہی کے ہاتھوں زخم زخم ہے۔ کہیں ایٹم بم کے اثرات اور اسکے تجربات اور کہیں بارود اور کیمیاوی ہتھیاروں کے ذریعے انسان پریشاں حال ہے۔ اس بار مغربی سائنسدانوں نے حد کردی ہے کہ خود اپنے ہی ہاتھوں پورے انسانیت کو ذبح کرنے لگے ہیں۔ کائنات کے رموز واسرار کو تو چھوڑئے بلکہ اس کے ظاہری خدوخال کو بھی اس عرصہ دراز میں یہ لوگ نہ سمجھ سکے، اور نہ ہی دریافت کرسکے، اور نہ ہی مہلک بیماریوں کا کوئی علاج ڈھونڈ سکے۔ جوں جوں ان کی تحقیقات آگے بڑھتی جارہی ہیں انکی اپنی پریشانیوں میں مزید اضافہ ہوتا جارہا ہے-----

ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

اور باوجود اربوں کھربوں ڈالر خرچ کرنے کے نتیجہ آج بھی صفر ہے۔ اور یہ وہیں پر کھڑے ہیں جہاں سے چلے تھے۔

جس قدر تسخیر خورشید و قمر ہوتی گئی زندگی تاریک سے تاریک تر ہوتی گئی

بقیہ ص ۶۳

(۱)۔ دارالعلوم حقانیہ کے بانی و مہتمم شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ علیہ اور مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے ساتھ قریبی تعلق رہا اور کئی بار دارالعلوم حقانیہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا تھا ایک بار دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تو دارالعلوم، حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور طلباء کے بارے میں اپنے تاثرات یوں قلمبند فرمائیں۔
* اللہ تعالیٰ نے مجھ پر پاکستان کی زیارت کا احسان فرمایا۔ میرے اس سفر کا بڑا مقصد دینی اداروں اور علماء سے ملنا تھا۔ تاکہ ان کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کروں۔ ان کی محبت سے دل کی پیاس بجھاوں۔ اور اللہ نے اس نعمت کی تکمیل فرمائی اور مجھے اس مدرسہ کی زیارت کا موقعہ بہم پہنچایا۔ جسکی سرپرستی اور انتظام الشیخ الجلیل مولانا عبدالحق سلمہ فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے پاکیزہ ارادوں اور ربانی مقاصد کی تکمیل فرمائے۔ مدرسہ کے طلبہ کے شرعی وضع قطع اور مدرسہ کے بہترین فطری نظام اور نورانی اساتذہ کی شفقت اور انہماک نے خصوصیت سے متاثر کیا۔
۲۷۴

تحریر : نعیم ابرار

کلون ٹیکنالوجی

****

آج کل دنیا بھر میں ایک نئی سائنسی بحث شروع ہو گئی ہے ۔اور خصوصا یورپ اور امریکہ میں تو ایک بھونچال آگیا ہے ۔ "کلون ٹیکنالوجی" درحقیقت مغربی سائنسدانوں کا فطرت کے خلاف ایک نیا محاذ ہے ۔ یورپ میں آج کل شدت سے اس کی مخالفت و موافقت میں بحث جاری ہے ۔لیکن مشرق میں اس قدر اہم اور سنجیدہ موضوع پر اردو میں اب تک کوئی کام نہیں ہوا ہے ۔ماہنامہ "الحق" اپنے قارئین کو اس موضوع پر اظہار خیال کی دعوت دیتا ہے ۔ بالخصوص شرعی نقطہ نظر سے بحث و تمحیص کیلئے "الحق" کے صفحات حاضر ہیں۔
(درجہ ذیل رپورٹ "اخبار جہاں" کے شکریہ کے ساتھ شائع کی جارہی ہے ۔)

****

(اہم ترین جنیاتی دریافتوں کی تمام تر تفصیلات و جزئیات اردو میں پہلی مرتبہ)

یہ صورتحال کس قدر مختلف اور ناقابل بیان محسوس ہوتی ہے کہ آپ اپنے سامنے خود کو چلتا پھرتا دیکھیں یہ کوئی خواب یا کہانی نہ ہو بلکہ حقیقت ہو اور کوئی شخص چاہے کہ اس کی موت کے بعد ہو بہو اس جیسا کوئی دوسرا آدمی اس دنیا میں موجود رہے ۔یہ خواہش بھی جنم لے سکتی ہے کہ ایک میڈونا یا ایک مائیکل جیکسن یا ایک آئن اسٹائن ہمارے پاس بھی ہو کوئی فرد یہ بھی سوچ سکتا ہے ۔ کہ اس جیسے دس افراد بیک وقت اس دنیا میں موجود ہوں کچھ سر پھرے والدین یہ خواہش بھی کر سکتے ہیں ۔ کہ ان کے یہاں جنم لینے والے بچے دنیا میں موجود کسی انتہائی کامیاب آدی کے کلون ہوں یا "سپر کڈز" پیدا کئے جائیں۔
کسی شخص کے دماغ میں یہ خدشہ بھی جنم لے سکتا ہے ۔ کہ وہ کسی لیبارٹری یا ہسپتال جائے گا تو کہیں اسے "چوری" نہ کرلیا جائے ۔یعنی مجرمانہ دماغ رکھنے والا کوئی سائنس دان اس کے "خلیات" چرا کر کلون تیار کردے اور اسے علم بھی نہ ہو اور کچھ عرصہ بعد وہ اپنے جیسے لوگوں کو اپنے سامنے چلتا پھرتا دیکھ لے ۔ کامیاب دولت مند اور انتہائی قابل شخصیات کی "طلب" میں بے تحاشہ اضافہ بھی ممکن ہے ۔اور کلون کی تیاری کے لئے درکار ان کے "خلیات" انتہائی مہنگے داموں فروخت بھی ہوسکتے ہیں اور "کلون ڈکیتی" بھی ممکن ہے۔

کسی کے دل میں یہ خواہش جنم لے سکتی ہے کہ وہ اپنا بچپن دیکھے خود کو خود ہی پالے پوسے اور جوان ہوتا ہوا دیکھے کسی شخص کو اپنی کوئی بلی بہت عزیز ہو تو وہ یہ خواہش کر سکتا ہے۔ کہ ہو بہو اسی شکل اور عادات واطور والی دوسری بلی بھی حاصل کرلے یہ بھی ممکن ہے کہ کسی بکرے کا گوشت کھانے والا کوئی شخص "انسانی گوشت" کھارہا ہو کیونکہ ایسے مویشی تیار کئے جاسکتے ہیں جن کا کوئی نظام انسانی جین کی مدد سے پیدا ہوا ہو اور وہ مخصوص نظام ہو بہو انسانی نظام جیسا ہو جس طرح ایک گائے عورت جیسا دودھ پیدا کررہی ہے۔ یہ سب کچھ اب محض سائنس فکشن نہیں رہا کسی زمانہ میں جن باتوں کو داستان اور کہانی سمجھا جاتا تھا آج وہ حقیقت بن چکی ہے۔ بعینۃ یہ سائنس فکشن بھی حقیقت بن چکا ہے۔ کہ دنیا میں ایک جیسے افراد بیک وقت موجود ہو سکتے ہیں۔ روزلین انسٹیٹیوٹ ایڈنبرا کے ڈاکٹر ایان ولمٹ اور ان کی ٹیم نے دودھ پلانے والی جانور کی پہلی ہو بہو نکل تیار کرنے میں کامیابی حاصل کرلی ہے لیکن تیار کرنے کا لفظ درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس بھیڑ نے فطری طریقوں سے جنم لیا ہے۔
البتہ سائنس دانوں نے جنیٹکس ٹیکنالوجی کی مدد سے بالغ بھیڑ سے حاصل شدہ جین میں اس طرح ردوبدل کیا کہ جنم لینے والا میمنہ بالغ بھیڑ کی سو فیصد "نقل بمطابق اصل" بن گیا لیکن یہ ننھی بھیڑ اپنی جگہ "اوریجنل کاپی" ہے اور اس کا نام ڈولی ہے۔
سائنس دانوں نے جین میں جو ردوبدل کیا اگر ایسی تبدیلی نہ کی جائے اور فطرت کے کاموں میں مداخلت نہ ہو تو اس صورت میں دو جانداروں کے ملاپ سے جنم لینے والا تیسرا جاندار اپنے والدین میں سے کسی ایک ہو بہو نقل نہیں ہوتا بلکہ اس میں دونوں کے کچھ نہ کچھ اثرات ہوتے ہیں۔ اور وہ دونوں سے مختلف ہوتا ہے۔ سائنس دان کلوننگ کے ذریعے چوہے، بندر اور مینڈک پیدا کرنے میں بھی کامیاب ہو چکے ہیں۔
ڈولی اس برس دہائی بلکہ اس صدی کی سب سے بڑی خبر ہے یہ اتنی بڑی سائنسی کامیابی (یا ممکنہ اخلاقی ناکامی؟) ہے کہ اسے جدید سائنسی دور کی سب سے بڑی خبر بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان اپنے حیاتیاتی مقدر کو کنٹرول کرسکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس " ترقی بے مہار" پر ماہرین عمرانیات، وبشریات واخلاقیات کو بجا طور پر تشویش لاحق ہے (زندہ ضمیر والے لوگ) اور اخلاقیات کو اہمیت دینے والے افراد اس خوش فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ کہ یہ ٹیکنالوجی غلط طور پر استعمال نہیں ہو گی لیکن یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے الفریڈ نوبل نے اپنے تئیں جو "چیز (ڈائنامائٹ) مثبت مقاصد کے لئے بنائی تھی اسے غلط طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ اگر کلون ٹیکنالوجی غیر ذمہ دار ہاتھوں میں کھلونا بن گئی تو سماجی واخلاقی اقدار کا تانا بانا بکھر کر رہ جائے گا۔ مسلمان عالم دین مصر کی جامعہ الازہر کے پروفیسر عبدالمطیع نے "انسانی کلون" بنانے کی ٹیکنالوجی کو مسترد کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انسانی کلون پر تحقیق بند کی جائے کیونکہ اس کے نقصانات فوائد سے زیادہ ہیں۔ اس ریسرچ کے نتیجہ میں جو کچھ ہو گا وہ اسلامی قانون نظریہ اور اخلاقیات کے منافی ہے اور اس سے انسانیت کو فائدہ

نہیں پہنچے گا۔ انہوں نے کہا کہ جو چیز نقصان دہ ہو وہ حرام ہے۔ اور اب تک جینیاتی انجنئیرنگ وکلوننگ کے جو نقصانات سامنے آئے ہیں وہ فائدہ سے زیادہ ہیں۔ تادم تحریر شیخ الازہر اور مصر کے مفتی نے انسانی کلوننگ کے بارے میں کوئی فتویٰ نہیں دیا عبدالمطیع نے انسانی کلون بنانے کی ٹیکنالوجی کو مسترد کر دیا اور انہوں نے کہا کہ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ سائنس کے ذریعہ جرائم پیشہ افراد اور فراعنہ مصر کے کلون نہیں بنائے جائیں گے۔ جن کی لاشیں محفوظ ہیں۔
اس "کامیابی" کے نتیجہ میں جو پریشان کن صورتحال سامنے آئی ہے۔ صدر کلنٹن کے ہنگامی اقدامات سے ان کا اندازہ ہوتا ہے۔ انہوں نے معاملات کا سختی سے نوٹس لیتے ہوئے حکم دیا ہے۔ کہ انسانی کلون بنانے کی تحقیق پر حکومتی فنڈ صرف کرنا ممنوع قرار دیا جائے انہوں نے سائنس دانوں کو مشورہ دیا کہ وہ انسانی کلون بنانے کے کام کو رضا کارانہ طور پر ترک کر دیں۔ صدر کلنٹن نے رائے ظاہر کی کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے طاقتور مظاہر کو کنٹرول کرنے کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے تاکہ اس کے نقصانات کم سے کم ہو سکیں اور فوائد زیادہ سے زیادہ حاصل ہوں۔ امریکی صدر نے کہا کہ اس تحقیق کا تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ خود ہمارے جنیاتی مواد سے ہمارا ہی ہم شکل ہمارے ہی سامنے کھڑا کیا جاسکتا ہے۔ اس میں اور بھی خطرات مضمر ہیں جن کا بھی ہمیں علم نہیں ہے یہ خطرہ تو سامنے آرہا ہے۔ صدر کلنٹن نے کہا کہ ایسی کوئی بھی دریافت جو "تخلیق انسانی" کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتی ہو محض سائنسی تحقیق کا معاملہ نہیں رہتی بلکہ اخلاقیات وروحانیات کا مسئلہ بھی بن جاتی ہے۔ چنانچہ اس تحقیق کا یہ پہلو کہ انسانی کلون بھی بنائے جاسکیں گے۔ ہمارے پسندیدہ اعتقاد اور انسانیت کے بارے میں گہری تشویش پیدا کرتا ہے۔

صدر کلنٹن نے یہ سخت احکامات اس بناء پر جاری کئے کہ قوانین میں کسی طرح گنجائش نہ باقی رہنے دی جائے۔ امریکہ میں سائنسی تحقیق پر زیادہ رقم نجی شعبہ صرف کرتا ہے۔ لہذا انہوں نے حکم دیا کہ انسانی کلون بنانے کی تحقیق اس وقت تک فوری طور پر روک دی جائے جب تک ان کا بنایا ہوا ماہرین سائنسی اخلاقیات کا پینل اپنی رپورٹ پیش نہیں کر دیتا۔ انہوں نے یہ اعتراف کیا کہ جانوروں کے کلون کی تیاری سے بے تحاشہ فوائد حاصل ہوں گے لیکن یہ بھی ہے کہ اس طرح کی سائنسی ترقی فائدہ کے ساتھ ساتھ بوجھ اور ذمہ داری بھی لے کر آتی ہے۔ سائنس اکثر اوقات اس قدر تیز رفتاری سے ترقی کرتی ہے کہ اس کے عواقب ومضمرات کو سمجھنے کی ہماری صلاحیت ہی جواب دے جاتی ہے۔

صدر کلنٹن اس تشویش میں تنہا نہیں ہیں تمام باشعور افراد جن میں سائنس دان بھی شامل ہیں اس تشویش میں ان کے ساتھ ہیں۔ برطانوی حکومت نے بھی ڈولی کا کلون بنانے والے ادارے کو دی جانے والی رقم میں کٹوتی کر دی ہے تاکہ ان سائنس دانوں کے پاس اس قدر وسائل ہی نہ رہیں کہ وہ یہ کام آگے بڑھا سکیں۔ لیکن اس پر مذکورہ سائنس دانوں نے خبردار کیا ہے کہ وہ اپنی اہلیت اور اپنی

تحقیق خالص کاروباری مقاصد کے لئے استعمال کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ انسٹیٹیوٹ کے ڈائریکٹر گراہم بل فیلڈ نے ناراضگی کے ساتھ کہا کہ اگر ہمیں معقول رقم ملتی رہے تو ہم سائنس برائے سائنس کی تحقیق میں یکسوئی سے مصروف رہیں گے۔ لیکن اگر حکومت ہمیں رقم نہیں دے گی تو ہم ادارے کو خالص سائنس کے مقصد سے ہٹا کر تجارتی مقصد کی جانب لے جائیں گے۔ اس کٹوتی کے نتیجہ میں جانوروں کی کلوننگ کا پروگرام بری طرح متاثر ہوگا اور ہم کاروباری اداروں کے اشاروں پر رقص کرنے لگیں گے کیا کریں ہمیں بھی تو زندہ رہنا ہے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ میں ادارہ کو زندہ رہنے دوں اور اسے چلاتا رہوں اس کے لئے رقم درکار ہے۔ دواساز کمپنی کلوننگ کی تحقیق میں اس ادارے کی حصہ دار ہے اور خیال ہے۔ کہ اب پی پی ایل ہی رقم بھی فراہم کرے گی۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ سے مجھے ہزاروں پیشکشیں موصول ہوچکی ہیں۔ کیونکہ وہاں ہماری تحقیق میں غیر معمولی دلچسپی لی جارہی ہے۔ چنانچہ اگر میرے لوگ بے روزگار ہوں گے تو میں اس کام پر مجبور ہوجاؤں گا۔ جو میرا گاہک مجھ سے کروانا چاہے گا۔ مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہے۔ کہ میری گاہک حکومت ہے۔ یا کوئی نجی صنعتی کمپنی کیونکہ ہم حقائق کی دنیا میں رہتے ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ کلوننگ کے کس قدر زیادہ فوائد ہیں۔

برطانوی حکومت کا یہ سخت فیصلہ صورت حال کی سنگینی کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ اہم عیسائیوں کے پیشوا کا بیان ہے۔ پوپ جان پال نے کلون تیار کرنے کی خبر پر سخت تشویش اور بے چینی ظاہر کی ہے۔ انہوں نے اس تحقیق کی مذمت کرتے ہوئے خبردار کیا کہ "زندگی پر خطرناک تجربات بند کئے جائیں" انہوں نے ان افراد پر نکتہ چینی کی جو محض طاقت واقتدار اور تسلط حاصل کرنے اور دولت کمانے کے لئے انسانی وقار کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

انہوں نے بیس ہزار افراد کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم انسانی زندگی کے احترام کو خطرناک تجربات کا نشانہ بنتے دیکھ کر اس صورت حال پر غور کر رہے ہیں۔ انہوں نے دنیا کے تمام ممالک سے کہا کہ وہ انسانوں کے کلون بنانے پر پابندی کے سخت قوانین بنائیں۔ پوپ جان پال نے کہا کہ سائنسی تحقیق اور تجربات کے معاملہ میں ہمیں حدود کی سختی سے پابندی کرنا چاہئے اور ان کی خلاف ورزی نہیں ہونا چاہئے ایسا نہ صرف اخلاقی نقطہ نگاہ سے بلکہ سادہ سی بات ہے کہ فطری نکتہ نظر سے بھی ضروری ہے واضح رہے کہ ۱۹۹۷ء میں ویٹی کن کے اجتماع میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ غیر جنسی عمل کے ذریعہ انسانی حیات حاصل کرنا اخلاقیات کے منافی ہے یہ شادی کے بندھن کا وقار پامال کرنے کے مترادف ہے۔

ڈاکٹر ایان ولمٹ کا کہنا ہے کہ اس ٹیکنالوجی کو انسانوں پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس میں متعدد فنی اور عملی مشکلات ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ سماجی طور پر ایسا کرنا ناقابل قبول ہوگا۔ اس ٹیم کے ایک اور سائنسدان ڈاکٹر ایلن کولمین کا کہنا ہے کہ میں اپنی بیوی اور چودہ سالہ بیٹے کو اس کام کے بارے میں قائل نہ کرسکا۔ ان کا کہنا ہے کہ اخلاقیات کی رو سے یہ غیر معتبر کام ہے۔ یہ خوفزدہ

کر دینے والی سائنس ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ہماری ٹیم کی سائنسدانوں نے اس کام کو تکمیل تک پہنچانے سے قبل اس کے اخلاقی مضمرات پر بحث کی تھی اور جب میں نے اپنی بیوی سے اس کا تذکرہ کیا تو اسے یہ کام قبول کرنے میں بہت مشکل محسوس ہوئی۔ اسے پریشانی تھی کہ دنیا میں کہیں کوئی جابر شخص اپنے کلون تیار کرانے کے لئے اس ٹیکنالوجی کو استعمال کرسکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایسا کرنا مشکل ہوگا۔ لیکن بہرحال اس کا امکان ضرور ہے کہ کولمین سے پوچھا گیا کہ کیا انہوں نے اپنی بیوی کو قائل کرلیا ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس کے بارے میں یقین نہیں کرتا ہوں۔ یہی نہیں میرے بیٹے نے بھی اس ٹیکنالوجی کے اخلاقی عواقب و مضمرات پر مجھ سے بحث کی۔ کولمین نے کہا کہ میں نے اس پر تحیر کام کو سات ماہ تک راز میں رکھا جس سے میرے دل پر بوجھ سا پڑ گیا۔ لیکن اخلاقی نقطہ نگاہ سے مجھے کوئی تشویش نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارا مقصد مریضوں کے لئے دوائیں اور ایسے اعضا تیار کرنا ہے جن کی فیکٹری جانوروں کو بنادیا جائے۔ یہ بات درست ہے کہ مستقبل میں زیادہ تر دوائیں جنیاتی طریقوں ہی سے تیار کی جائیں گی اور اس سے مریضوں کو بے تحاشا فوائد حاصل ہوں گے۔ ڈاکٹر کولمین نے کہا کہ فی الحال ہم مزید کوئی بھی کلون تیار نہیں کر رہے۔ ہم توقف کرینگے عقل و دانش پر ہماری کوئی اجارہ داری نہیں ہے۔ ایک اور سائنسدان ڈاکٹر رون جیمز کا کہنا ہے کہ اب یہ کام گایوں اور سوروں پر جاری رکھا جائے گا۔ قبل ازیں ایک ٹرانس جینک گائے روزی جنم لے چکی ہے۔ جو عورت جیسا دودھ پیدا کرتی ہے۔ یہ دودھ ایسے بچوں کو دیا جاسکتا ہے جو قبل از وقت پیدا ہوگئے ہوں۔ اور جن کی مائیں انہیں اپنا دودھ نہ دے سکتی ہوں۔

لیکن ایڈنبرا کے سائنس دانوں پر ڈاکٹر پیٹرک ڈکنس نے سخت تنقید کی۔ انہوں نے کہا کہ ان لوگوں نے دنیا کو اپنے کام کے بارے میں سخت تاخیر سے بتایا اور اب یہ جاننے کا کوئی راستہ باقی نہیں کہ اس سمت میں ان کی اور دیگر سائنس دانوں کی تحقیق کس قدر آگے بڑھ چکی ہیں اور کیا رخ اختیار کرچکی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ تاریخ سے ہمیں سبق ملتا ہے۔ کہ جو کچھ بھی سائنسی طور پر ممکن ہو وہ کوئی بھی شخص کسی بھی جگہ اور کسی وقت بھی کرسکتا ہے۔ خاص طور پر ایسی حالات میں جبکہ دنیا بھر کے قوانین بہت مختلف ہیں۔ انہوں نے کہا میرے پاس تو ابھی سے لوگ آنے لگے ہیں۔ جو کہتے ہیں۔ کہ وہ اپنے کلون بنوانے کے لئے رضا کارانہ طور پر تیار ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب انسانی کلون بنائے جاسکتے ہیں تو کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی شخص انہیں بنا رہا ہوگا۔ یا بنائے گا۔ یہ اصل مسئلہ ہے۔ دودھ پلانے والے پہلے جانور کا کلون برطانیہ میں تیار ہوا۔ اور انسان سے مشابہ جانور بندر کا کلون امریکہ میں تیار ہوا۔ جس سے یہ ثابت ہوگیا کہ انسانی کلون بھی تیار کئے جاسکتے ہیں۔ ان دونوں کامیابوں سے قبل تائیوان کے سائنس دان نسبتاً غیر ترقی یافتہ حیوان چوہوں کے کلون تیار کرچکے تھے۔ تائیوان میں غیر زرخیز جینین سے ہم شکل چوہے تیار کرنے کی خبر کو انتہائی خفیہ رکھا گیا تھا۔ یہ دونوں مادہ چوہے ہیں۔ اور صحت مند ہیں۔

سائنس دانوں کی اس کامیابی سے سوچنے سمجھنے والے حلقوں میں جو ہلچل مچی تھی اس سے امریکی صدر بل کلنٹن بھی بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے فوری طور پر بایو ٹیکنالوجی کے ماہرین کو حکم دیا کہ مجھے اس بارے میں 90 روز کے اندر اندر تفصیلی رپورٹ دی جائے امریکہ اور دیگر ترقی یافتہ ممالک میں یہ اپنے وقت کی سب سے زیادہ بڑی خبر بن گئی اور تمام اخبارات، ٹیلی ویژن کے پروگراموں اور دیگر فورمز پر صرف اس موضوع کو زیر بحث رکھا گیا۔ فرانس کے وزیر زراعت نے کہا کہ جنیٹکس کے ذریعہ ہم چھ رانوں والی مرغی پیدا کر دیں تو وہ عفریت محسوس ہو گی اور فرانس فطرت کے خلاف ہونے والے "شیطانی تجربات" کو سختی سے کنٹرول کرے گا۔ لیکن بھیڑ کا کلون تیار ہونے کی خبر جیسے ہی عام ہوئی اس پروجیکٹ کی ذمہ دار کمپنی پی پی ایل کے شیئرز کی قیمتیں آسمان کو چھونے لگیں اس پروجیکٹ کے تمام حقوق کی مالک یہی کمپنی ہے۔ تجارتی بنیاد پر چلنے والی اس نجی کمپنی کو اپنی زیر ملکیت تحقیق استعمال کرنے سے کوئی روک نہیں سکتا اس تحقیق کے حقوق عام ہوں یا نہ ہوں نظری طور پر کوئی بھی ماہر سائنس دان اس پوزیشن میں ہو گا کہ وہ انسانی کلون بنا دے یا جانوروں کی عجیب وغریب نسلیں جنم لینے لگیں یا پھر سائنس فکشن حقیقت کا روپ دھار لے کہ انسان اور جانور دونوں کو "آمیز" کر کے ایک نئی مخلوق سامنے آجائے۔ انسانی کلون تیار کرنے کے خلاف برطانیہ، اسپین، جرمنی، کینیڈا، ڈنمارک امریکہ، فرانس اور پرتگال میں اگرچہ قوانین موجود ہیں لیکن اکثر ممالک میں اس کے خلاف کوئی قانون موجود نہیں ہے۔ ہیومن فرٹیلائزیشن اور ایمبریولوجی کے ماہر پروفیسر مارٹن جانسن کے بقول کلون کی تیاری سے متعلق خدشات کی برطانیہ میں اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی کہ دیگر ممالک میں ہے۔ کیونکہ برطانیہ میں تو یہ عام خیال ہے کہ انسانی کلون بنانا منفی کام ہو گا۔ امریکہ میں حکومت کا فنڈ انسانی جنین پر تحقیق کے لئے استعمال نہیں ہو سکے گا لیکن اگر کوئی نجی حیثیت میں رقم لگانا چاہے گا تو اسے کیسے روکا جائے گا؟ کیونکہ اس کے خلاف تو کوئی بھی قانون موجود نہیں ہے۔

برطانیہ کے نوبل انعام یافتہ سائنس دان جوزف ورٹ بیلٹ کے بقول مجھے پریشانی یہ ہے کہ سائنس کے بعض شعبوں خصوصاً جنیاتی انجینئرنگ میں جو ترقی ہو رہی ہے اس کے نتیجہ میں ایٹم بم سے زیادہ خطرناک ایجادات و دریافتیں ہو رہی ہیں۔

ڈولی کی پیدائش کے لئے بالغ بھیڑ سے خلیہ حاصل کیا گیا تھا پھر اس کے مرکزہ اور ڈی این اے کو ایک غیر زرخیز بیضہ میں رکھا گیا اس بیضہ سے اس کا اپنا ڈی این اے خارج کر کے ضائع کر دیا گیا تھا۔ اب ان کے ملاپ سے بننے والے جنین کو ایک مادہ بھیڑ میں رکھ دیا گیا اور اس طریقہ سے انسانی کلون بنانا بھی ممکن ہے یہ بھی ممکن ہے کہ انسانی خلیات اور بیضہ کی بینکاری شروع ہو جائے۔ ڈولی جولائی میں پیدا ہوئی تھی اس کا نام ایک برطانوی گلوکارہ ڈولی پارٹن کے نام پر رکھا گیا ہے۔ اس کی پیدائش کے بعد سے اب تک ۹ کلون بھیڑیں پیدا کی جا چکی ہیں اور یہاں امریکہ کے سائنسدانوں نے جنین کے ذریعے بندروں کے دو کلون تیار کئے تھے ان کا کہنا ہے کہ ہمارا کام آگے بڑھ رہا ہے۔ ان بندروں میں

سے ایک نر سے اور دوسری مادہ ان کے لئے جنیاتی مواد صرف ایک EMBRYONIC CEEL حاصل کیا گیا اس تیکنیک کو نیوکلیئر ٹرانسفر کا نام دیا گیا لیکن ڈولی میں اور ان بندروں میں سائنسی ارتقاء کا فرق ہے یعنی نیوکلیئر ٹرانسفر کی ٹیکنالوجی کے ذریعہ ہو بہو ایک جیسے دو بچے پیدا کئے جا سکتے ہیں، یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی بالغ کی ہو بہو نقل پیدا ہو سکے گویا یہ کسی بالغ کلوننگ نہیں بلکہ توام بچے پیدا کرنے کی ٹیکنالوجی ہے اس کے برعکس ڈولی کو جس طرح پیدا کیا ہے اس طریقہ سے بالغ انسان کی بھی ہو بہو نقل جنم لے سکتی ہے۔ بندروں کے ہم شکل بچوں کی ٹیکنالوجی کا کام کرنے والے سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ شراب نوشی سے پیدا ہونے والے مسائل اور ڈپریشن جیسے عوارض پر تحقیق میں ان کے کام سے مدد ملے گی۔

ڈولی کے پروجیکٹ پر کام کرنے والے سائنس دانوں نے اگرچہ کسی انسان کا کلون نہیں کیا ہے لیکن وہ جانوروں کو بڑے پیمانے پر کلون کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان کا دودھ سے انسانوں کے لئے دوائیں حاصل کی جا سکیں اور ان کے جسم سے ایسے اعضاء لئے سکیں جن کی پیوند کاری ضرورت مند انسانوں میں ممکن ہو ان کا کہنا ہے کہ یہ حیرت انگیز حد تک سادہ ٹیکنالوجی انسانوں پر بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔ یہاں تک کہ VIRGIN عورتیں کسی مرد سے تعلق کے بغیر اپنی ہم شکل بچیاں "جنم" دے سکتی ہیں۔ اسی طرح مرنے والے کی ہو بہو نقل بھی دنیا میں موجود رہ سکتی ہے۔ لیکن بہر حال یہ خیال غلط ہے کہ اس طرح انسان موت یا فنا سے بچ جائے گا کیونکہ یہ ابدیت حاصل کرنے کا نسخہ نہیں ہے جو کلون پیدا ہو گا وہ "دوسرا" فرد ہو گا مرنے والا اپنے وقت پر مر جائے گا۔

بوسٹن یونیورسٹی کے پروفیسر جارج اناس نے کہا ہے کہ مذکورہ بالا مقاصد کے لئے اس ٹیکنالوجی کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ لوگوں کو اس سے کس طرح روکا جائے گا۔ آپ کسی نہایت امیر شخص کو اس بات سے کیسے روک سکتے ہیں کہ وہ کسی دور دراز جزیرہ میں ایک لیبارٹری قائم کرے سائنس دانوں کو نوکر رکھ لے اور اپنے کلون بنوائے کوئی دولت مند جو دیوانگی میں مبتلا ہو اور دولت کو خدا سمجھتا ہو اس کے دماغ میں یہ خیال آسکتا ہے کہ اپنی دولت کی وراثت کا اصل حقدار وہ خود ہی ہے چنانچہ وہ اپنا کلون بنوا سکتا ہے۔

اسی طرح انسانی کلون بنانے کے عمل کو طاقت اور پولیس کے ذریعہ سے بھی نہیں روکا جا سکتا اس ٹیکنالوجی کی اہم بات یہ ہے کہ کسی بھی اسٹنڈرڈ لیبارٹری میں اسے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ قابل عمل ہے گویا انسانی کلون بنانے پر تحقیق جبر آرو کی نہیں جا سکتی یہی حال دیگر ٹیکنالوجیز کا بھی ہے۔ آپ انٹرنیٹ کو پھیلنے سے نہیں روک سکتے۔ سیاستدانوں کے لئے یہی سب سے بڑی آزمائش ہے کہ وہ اس حقیقت کا ادراک کرلیں کہ دنیا تبدیل ہو گئی ہے اور یہ کہ اس تبدیل شدہ دنیا میں انہیں خود کو کس طرح منوانا، معاشرہ کو کس طرح بچانا اور ضوابط پر کس طرح عمل درآمد کروانا ہے۔ گویا جس سائنسدان کے پاس ایک اسٹینڈرڈ لیبارٹری ہو گی وہ انسانوں کے کلون بنانے لگے

گا۔ریاست یا سیاستدانوں کے پاس اس قدر طاقت نہیں ہو گی کہ وہ انسانی ذہن کو روک سکے۔

کلون ٹیکنالوجی فوائد کے اعتبار سے تو اچھی ہے لیکن اس کے ذیلی اور ضمنی اثرات مضر اور بھیانک ہیں۔ ٹیکنالوجی کو آزاد کرنے میں ستم ظریفی یہ ہے کہ انسانوں کو خود یہ فیصلہ کرنا ہو گا کہ وہ اپنے خاندان وسماجی تانے بانے کو بچانے کیلئے کونسی ٹیکنالوجی کس طرح استعمال کرے اور کس ٹیکنالوجی کو یکسر ترک کردے ۔متنازع صورتحال سے قطع نظر سائنس والوں کو خوشی اس بات کی ہے کہ اس تحقیق سے زراعت کی دنیا میں انقلاب آجائے گا ۔طبی ترقی بہت بڑھ جائے گی، نئی صنعتیں جنم لیں گی اس متضاد اور پیچیدہ صورتحال کی بناء پر ماہرین اخلاقیات اس مخمصہ میں مبتلا ہیں کہ درمیان کا متوازن راستہ کیسے نکالا جائے۔ حکموتوں کیلئے بھی مسائل پیدا ہو گئے ہیں کہ وہ کلون کے غلط استعمال کو کس طرح روک سکیں گی۔

اس تحریر کا حرف آخر یہ ہے کہ انسان نے "زندگی" کو پیدا کرنے پر کوئی مہارت حاصل نہیں کی ۔فطرت اور قدرت کو آج بھی بالادستی حاصل ہے ۔انسان نے موت کو بھی شکست نہیں دی ہے۔ نہیں اس ضمن میں کوئی کامیابی حاصل ہونے کی توقع ہے ۔اس سے قبل بھی انسان محیر العقول ایجادات ودریافتیں کرتا رہا ہے لیکن ایسے یہ غلط فہمی کبھی نہیں ہوئی کہ اس نے فطرت اور قدرت کے نظام پر بالادستی حاصل کرلی ہے۔ یہی صورتحال اب بھی ہے۔ نظام قدرت نہایت متوازن اور نازک ہے۔ انسان نے جب بھی اس میں دخل درمعقولات کی کوشش کی ہے ۔منہ کی کھائی ہے لہذا جو بھی انسانی کوشش ہو گی حد سے متجاویز ہو گی اس کے نتائج خود اس کے خلاف نکلیں گے۔

حقیقت یا افسانہ

کوئی بھی شخص "خود" کو دیکھ سکے گا بات کرسکے گا اور اپنے جیسے دوسرے شخص کے ساتھ زندگی گزار سکے گا ۔لیکن یہ شخص وہ "خود" نہیں ہو گا بلکہ "دوسرا" ہو گا ۔ایک شخص اپنے بچہ کا کلون تیار کراکے دونوں کو پال پوس کر بڑا کرے گا ۔اور پھر "اس" کا بچہ کسی کو قتل کرنے کے بعد یہ کہہ سکے گا کہ "یہ میں نہیں کوئی اور ہے ۔یہ جرم میں نے نہیں میرے کلون نے کیا ہے" ۔یہ ٹیکنالوجی مجرمانہ دماغ رکھنے والے افراد کے ہاتھ لگ گئی تو ہسپتالوں اور لیبارٹریز میں جانے والے افراد "چوری" ہونے لگیں گے ۔اور انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ کہ انہیں چرالیا گیا ہے ۔پھر وہ دیکھیں گے کہ اس دنیا میں کہیں انہیں جیسا کوئی اور فرد جنم لے گا۔ان لامحدود امکانات و خدشات نے "سائنسی اخلاقیات" کے ماہرین اور سیاستدانوں کو چونکا دیا ہے۔

++

کاروبار شروع ہو گیا

اٹلی کے اخبارات میں ایک اشتہار کی اشاعت نے کھلبلی مچادی ہے ۔اس اشتہار میں ۱۸ سے ۲۵ سال تک کی خواتین کو پیش کش کی گئی ہے ۔ کہ وہ Vitrofertilization پروگرام کیلئے Eggs فروخت

کرسکتی ہیں ۔انہیں پرکشش معاوضہ دیا جائے گا ۔ کیتھولک چرچ نے اس اشتہار کی سختی سے مذمت کی ہے ۔یہ اشتہار ایک بڑے کلینک کی جانب سے دیا گیا ہے ۔ارکان پارلیمنٹ نے حکومت پر زور دیا ہے ۔ کہ وہ اس نوعیت کے تجارتی کاموں کی روک تھام کرے تا کہ انسانی زندگی کا احترام برقرار رکھا جاسکے۔ دوسری جانب امریکہ کے سرکاری محکمہ صحت کے ڈائرکٹر ہیرلڈ ای ویلیمز نے کہا ہے کہ اگر چہ ابھی انسانی کلون تیار کرنے کے امکان پر سخت بے چینی اور ہنگامہ آرائی موجود ہے اور لوگ اس تصور سے بھی پریشان ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ انسان کسی مرحلہ پر یہ فیصلہ کرے کہ سخت شرائط اور قواعد وضوابط کے ساتھ انسانی کلون بنایا جاسکتا ہے ۔انہوں نے کانگریس کمیٹی کو بتایا کہ میرے خیال میں اس ٹیکنالوجی کو محفوظ رکھنا چاہیئے شاید یہ کبھی کام آسکے ۔انہوں نے کہا کہ شاید مستقبل میں کبھی ایسی کوئی صورتحال جنم لے کہ انسانی کلون بنانے کو ہم اخلاقی طور پر درست قرار دے دیں۔

++

انسانوں میں حیوانیت پیدا کی جاسکے گی؟

ایک اور تازہ ترین تحقیق سامنے آئی ہے جس سے پتہ چلا ہے کہ اگر ایک جانور یا پرندہ کے دماغ سے چند خلیات لے کر انہیں کسی دوسری نسل کے جانور یا پرندہ کے دماغ میں پیوند کردیا جائے تو جانوروں کے جبلی رویے تبدیل کیئے جاسکتے ھیں۔ گویا کوا مرغے کی طرح بانگیں دے سکتا ہے ۔
سان ڈیاگو کے نیورو سائنس انسٹیٹیوٹ میں تحقیق کرنے والے ایوان بلایان کے مطابق اگر کسی مرغی کے انڈہ سے ابتدائی حالت میں موجود جنین کے اعصابی نظام کا کچھ حصہ (ٹشوز) نکال کر اسی عمر کے جنین والے کوئل کے انڈہ میں لگادیا جائے تو اس طرح کوئل میں مرغی جیسی جبلی حرکات پیدا ہوسکتی ہیں۔اس طرح وہ کوئل نظر آئے گی لیکن دراصل "مرغ کوئل" ہو گی
ایک سیاستدان کے بقول اس طرح یہ بھی ممکن ہو گا کہ جانوروں کے دماغ سے ٹشوز لے کر انسانی جنین میں لگادیئے جائیں اور یوں جو بچہ پیدا ہو اس میں "حیوانیت" موجود ہو لیکن اسے بہتر مقاصد کیلئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے ۔ مثلاً بوسٹن میں خطرناک دماغی عارضہ پارکنسن میں مبتلا افراد کے دماغ میں سور کے دماغ کے جنین سے حاصل شدہ خلیات لگائے جار
ہے ہیں تا کہ بیماری سے تباہ شدہ خلیات کو صحت مند رکھا جاسکے ۔یہ خلیات دماغ کے اس حصہ میں نہیں لگائے جارہے جو سوچنے سمجھنے کا عمل انجام دیتا ہے ۔بلکہ اس حصہ میں جو کیمیکل سگنلنگ کیلئے مالیکیول پیدا کرتا ہے بالغوں میں اگر جانوروں کا دماغ لگایا جاے گا تو ان میں "حیوانیت پیدا نہیں ہو گی ۔ لیکن اگر انسانی جنین میں انہیں لگا دیا جائے تو ان کی جبلت میں جانوروں جیسی حرکات وسکنات سرایت کرسکتی ہیں ۔

جناب ڈاکٹر سید زاہد علی واسطی

ترقی پسند ۔ روشن خیال ۔ لبرل مسلمانوں کا ماضی ، حال ، مستقبل

آجکل کا مسلمان جس دور ابتلا سے گزر رہا ہے ۔ وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ۔ اس ابتلا میں کئی عوامل کارفرما ہیں ۔ ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے صرف ایک ہی صورت ہوسکتی ہے ۔ کہ خود کو اسلامی سانچے میں ڈھال لیا جائے ۔ اس کام کے لئے اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہر شخص کو تعلیمات اسلامی کے ہر پہلو سے آگاہی اور واقفیت ہوجائے تاکہ اسے غور و فکر کا پورا موقع مل جائے ۔

مسلمانوں کی مصیبتوں کا آغاز جب سے شروع ہوا جب مسلمان متمول طبقے نے افرنگی تعلیم کی زیر اثر نہ صرف ان کی عادات و خصلات کو اپنالیا بلکہ ارباب من دون اللہ کو اپنا ملجا و ماوا بھی بنالیا ۔ اس کے رد عمل کے طور پر کمیونزم ، بالشوکزم ۔ فاشزم ۔ سوشلزم ۔ امپیریلزم جیسے اور متعدد ازموں کے شکار ہوگئے ۔ ان سب ازموں نے ملکر ان میں دین اسلام سے نفرت ، اس سے عملی تمسخر اور استہزا کی بنیاد ڈالدی ۔ اور اس طرح اسلامی تعلیمات اور قانون جزا و سزا و کتاب الہیٰ سے عملاً انحراف نے ان کو ایسے راستے پر گامزن کردیا کہ بزعم خویش یہ سمجھنے لگے کہ دین تو صرف عبادات کا مجموعہ ہے ۔ اخلاق ۔ معاشرت و معاملات کا اس سے دور کا واسطہ بھی نہیں ۔

خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پابندیوں سے آزاد ہو کر انہوں نے راحت و سکھ چین کا سانس لیا ۔ دینی بیزاری نے ان کے لیے خود ساختہ آزادی کی راہیں کھول دیں ۔ عارضی لذتوں نے ان کی آنکھیں چکاچوند کرڈالیں ۔ اور خود کو جو پہلے بھی ادیب و شاعر کہلاتے تھے ۔ حرص و ہوس کے دھارے ان کو بہا کر ساحل سے دور لے گئے ۔ ادب وہ ادب نہ رہا جسے علم کا زیور کہا جاتا تھا ۔ موجودہ ادب کا ماحصل دنیا سازی اور ظاہر داری کے سوا کچھ نہ رہا ۔ جس کے اندر حقیقت و معنویت کا کوئی نشان نہ تھا ۔ اس نووارد ترقی پسند ادب کی روح خود غرضی ۔ جوع النفس ۔ غیر فریبی ۔ خواہش داد اور مخاطب کی رضاجوئی کے سوا کچھ نہ تھا ۔ جس کا خلاصہ قرآن حکیم اس طرح پیش کرتا ہے ۔

"یرضونکم بافواھھم وتابیٰ قلوبھم واکثرھم الفسقون" (التوبہ - ۸)

یعنی وہ تمھیں اپنے (زبانوں اور لفظوں) سے راضی کرنا چاہتے ہیں ۔ حالانکہ ان کے دل اس سے انکاری ہیں اور ان میں اکثر جھوٹے ہیں ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو ادب و شاعری سے دور رکھا ۔ کیونکہ اس قسم کی ادیبانہ شاعری کا سرچشمہ خیال آرائی ہوتا ہے ۔ اور پیغمبروں کا موضوع سخن حقیقت آرائی

اور حقیقت الحقائق تک رہنمائی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ آپ ضرور کہیں گے کہ مسلمانوں میں بڑے بڑے ادیب شاعر مثلاً رومی۔عطار۔سنائی۔سلف دخلف میں اقبال وحالی گزرے ہیں۔ مگر ان کی معرفت احوال باطن ہے نہ کی خیالی آرائی گل وبلبل۔ادب میں آج بھی ڈپٹی نزیر احمد۔عبدالحلیم شرر۔مولانا ظفر علی خان۔عبدالمجید سالک۔غلام رسول مہر اور چراغ حسن حسرت کے اسمائے گرامی مشعل راہ ہیں۔اس کے بعد ادیبوں۔شاعروں کے زیادہ حصے نے اپنے اوپر مکروہ خول چڑھالیا اور خود کو ترقی پسند، روشن خیال مصنفین وشعراء بنا کر اسلاف کو روایت پسند۔دقیانوسی (ORTHO DOX) بنیاد پرست (FUNDA MENTALIST) کی چھاپ لگا کر اپنی صفیں علحیدہ تیار کر ڈالیں۔ آئیے اس عنوان مضمون کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں۔

کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی، جب تک اس کا اخلاق و کردار درست راہ پر گامزن نہ ہو۔اور یہ اس وقت ممکن ہے کہ جب وہ شہریت کے ابتدائی اصولوں سے کماحقہ واقفیت نہ رکھتی ہو۔اوزاس قوم کا ہر فرد روزمرہ کی زندگی میں معاشرتی نظم وضبط سے کام لے۔تاوقت یہ کہ یہ معاشرتی انقلاب پیدا نہ ہوجائے، قوم کی تعمیر سیدھے راستے پر نہیں ہوسکتی۔ پھر اس قوم کے سامنے سیاسی انقلاب کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔در حقیقت قوموں کی تعمیر ان کے افراد کے کردار اور سیرت کی تعمیر میں مضمر ہوتی ہے۔ اور اس تعمیر میں سربراہ قوم وملت کا کردار کلیدی حیثیت رکھتا ہے صد افسوس کہ یہ کردار روز بہ روز پست تر ہوتا جارہا ہے۔

ہمارا نظام تعلیم گزشتہ دوصدیوں سے ان کے ہاتوں میں رہا۔جو شروع سے ہی دشمن اسلام چلے آرہے ہیں۔انہوں نے تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں کو صفہ ہستی سے مٹانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی۔ماضی قریب میں انہوں نے اپنی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے ہمارے لئے ایسا نصاب تعلیم تجویز کیا، جس کا مقصد ہمارے دلوں سے اسلام اور تاریخ اسلام کی عظمت وشوکت کو مٹا کر لادینیت اور مغربیت کا سکہ بٹھایا جانے کی ترکیب وترتیب پند سود مند قرار دے دی۔چنانچہ اپنے دور حکومت میں ڈیڑھ سو سال تک اس مقصد کو بخوبی عملی جامہ پہنایا۔سید سلیمان ندوی نے ایک دفعہ ڈھاکہ میں پاکستان تاریخ کانفرنس میں ایک مقالہ پڑھا۔جس میں لکھا تھا کہ "یہاں انگریز نے تاریخ نویسی کے طرز کو بالکل بدل ڈالا۔ان کی سیاست نے ہی ملک میں تفریق کا بیج بویا۔اس ملک میں اسلامی تاریخ کے صفحات میں ہماری عظمت وشوکت پر خاک ڈالنے کے لئے انگریزوں نے جاہ وجلال۔عدل وانصاف اور بحالی امن کی تشہیر کا کام اس خوش اسلوبی سے کیا کہ اہلیان ملک کو ان ہی کی آنکھوں میں ذلیل وخوار اور انگریزوں کو معزز بنا ڈالا۔ تاآنکہ انگریزیت۔مغربیت کے ناپاک کارنامے بھی روشن تر نظر آنے لگیں یہی واحد صورت تھی کہ انگریز برصغیر کی دولت۔صنعت وحرفت اور حکومت پر قابض رہ سکیں۔" آج بھی انگریزی زبان کے تسلط اور برتری سے مذکورہ مقاصد انہیں بخوبی حاصل ہورہے ہیں۔ تعلیم یافتہ طبقے کو مشاہیر مغرب اس لئے یاد ہیں کہ اہل مغرب نے اپنے اپنے وقت کی یادگاریں قائم کردیں۔

پڑھا لکھا شخص شکسپیر، ورڈزورتھ، کیٹس، شیلے، گود کی۔ کے نام لیکر اپنے (EDUCATIONAL SYMBOL) تعلیمی امتیاز کی دھاک بٹھاتا ہے۔ مگر افسوس کہ مشاہیر اسلام کے اعمال حسنہ، عزائم مہمہ، نتائج عظیم، بصائر و مواعظ جلیلہ۔ آج کل کے نوجوان کے سامنے موجود نہیں۔ جن لوگوں کا یہ کام تھا کہ وہ ادب کو اس جانب صفحہ قرطاس پر جگہ دیتے۔ ان کو ایک منصوبے کی تحت انگریز سامراج نے القابات، خطابات یا زر زمین دے کر ان کی ذہنی صلاحیتوں کو خرید لیا۔

دور غلامی کا خاتمہ ہوا تو خیر اندیش آزادی کے متوالوں نے بڑی بڑی توقعات اپنے راہبروں اور قائدین اور ائمہ کرام سے وابستہ کرڈالیں۔ خوش فہم یہ سمجھنے لگے کہ آزادی کا سورج طلوع ہوتے ہی آئین اسلام پر عمل در آمد شروع ہوجائے گا۔ جس طرح صلاح الدین ایوبی نے ملک شام فتح کیا تو اعلان کیا تھا۔

" کیا تم لوگوں کا خیال ہے کہ جو ملک ہم نے فتح کیا ہے۔ ہم نے حکومت کرنے کے لیے فتح کیا ہے ہر گز نہیں! بلکہ یہ ملک محض اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنے کے لیے ایک کوشش ہے۔ احکام اسلام ہی یہاں نافذ کروں گا۔ ملک رہے یا نہ رہے۔ میں رہوں نہ رہوں اسکی مجھے پرواہ نہیں ہے۔ مگر ایک حکم بھی اسلام کے احکامات کے خلاف صادر نہیں کرونگا۔"

ہمارے ارباب بست و کشاد اگر اس وقت ہمت دکھاتے اور قرآن و سنت کے دعوے دار حق و صداقت پر قائم رہتے، تو یہ ایسی کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ جبکہ شروع شروع میں عوام کی بھی یہی خواہش تھی۔ بلکہ قیام پاکستان کے لئے قربانیاں بھی اسی لئے دی گئیں تھیں۔ مگر ان بدنام جمہوری تقاضوں نے ایسا نہ ہونے دیا۔ آئینی تبدیلی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ ہر سربراہ بلند بانگ دعوے کرتا رہا۔ (ایک حکمران نے تو گیارہ برس اقتدار پر قبضہ کئے رکھا اور وہ یہ سب کر جانے کا مقتدر بھی تھا۔ مگر وہ بھی قرآن و سنت کا قانون نافذ نہ کرسکا۔ اب نہ آگے کوئی امید نظر آتی ہے۔ الایہ کہ اللہ چاہے!!!)

اب ہم تصویر کا ایک اور رخ دکھاتے ہیں۔ سرخ انقلاب کی آندھی اشتراکیت کا لبادہ اوڑھ کر اس صدی کی دوسری تیسری دہائی میں اٹھی۔ اور چوتھی دہائی تک آدھی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اشتراکیت اور اسلام کا بنیادی فلسفہ بادی النظر میں ایک سمجھتے ہوئے عالم اسلام کے بہت سارے دانشوروں و علماء نے نادانستہ طور پر اس کا خیر مقدم کیا۔ علامہ اقبال نے بھی روس کی ضرب لا کو خوش آمدید کہا اور الا کا قدم اول قرار دیا۔ اس خیر مقدم کی ایک وجہ یہ تھی کہ مغرب کی سرمایہ دار استعماری طاقتیں عالم اسلام کی سخت دشمن تھیں۔ لہذا جب روس میں بغاوت زار روس کے خلاف بلند ہوا تو اس انقلاب میں مسلمانان عالم کے لئے طمانیت کا سامان موجود تھا۔ مگر آہستہ آہستہ اشتراکیت کے کل پرزے کھلنے لگے تو معلوم ہو کہ یہ تو سراپا تخریبی۔ لادینی۔ مادی نظریہ حیات پر منتج ہے۔ یعنی اس نظریئے پر کہ کائنات میں خدا اور روحانی علت و معلول کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس نظام میں الہامی دعوے باطل بتائے گئے۔ نبوت اور رسالت کا کوئی وجود یا جواز اس نظریہ اشتراکیت میں موجود نہ تھا۔ جن

ہستیوں کو ہم نبی یا پیغمبر کہتے ہیں۔ نعوذ باللہ ! وہ تاریخ کے مادی عوامل کی پیداوار بتائی گئی۔ یہ بھی اسکی تعلیم تھی کہ نبی خدا تعالیٰ کے فرستادہ قطعاً نہ تھے۔ اور نہ خدا کی حیثیت اس عالم کون ومکاں میں صاحب اقتدار کی ہے۔ یہ سب سوچیں مادی۔ معاشی تقاضوں سے نمودار ہوئیں۔ اور ان نظریات کی تحت کہ محنت کروگے تو رزق تم کو مل جائیگا۔ بغیر محنت مزدوری کے رزق نہیں مل سکتا تو خدا پر انحصار کیوں ضروری ہے۔ یہ سراسر ایک غلطی ہے"۔

اس نظرئیے کو نچلے طبقے (جنھیں آج کل محنت کش کہتے ان میں سرخاب کا پر لگا دیا) نے سر آنکھوں پر اٹھالیا اور اس طبقے کو باور کرادیا گیا کہ تمھاری محنت میں رزق پوشیدہ ہے۔ اور جب محنت مشقت کے بغیر خدا تم کو روٹی نہیں دے سکتا تو کیوں اسکی عبادت کرتے ہو۔ یعنی جب محنت پر ہی روٹی کا دارومدار ہے تو خدا سے کیا اور کیوں مانگتے ہو؟۔ اس نظرئیے کی تشہیر روس نے بہت ایڑی چوٹی کازور لگا کر کی۔ وہاں کی تمام درسگاہوں پرائمری سے لیکر یونیورسٹی تک میں اس فلسفے کو درسی کتب (Curriculum) کالازمی جزو بنایا گیا۔ جہاں اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ ولاڈی واسٹک سے لینن گراڈ تک تمام درسگاہوں سے فارغ التحصیل طبقے، لکھنے والے، گیت سنگیت والے، اخبار، جرائد اور ریڈیو میں ہمہ وقت اشتراکیت کی نشرواشاعت کرتے رہتے۔ اشتراکیت نے تمام آسمانی مذاہب کے بے اصل ہونے کا ایسا لاجواب طریقہ اختیار کیا اور اس انداز میں عوام کو مذاہب عالم سے بیزار اور متنفر کرنے کی کوشش کیں۔ کہ غیر روسی اقوام میں بھی جدید نظریات کی تحت ان سب کو عوامی دانشور، ترقی پسند کہا جانے لگا۔ یہ لوگ اپنی قوموں میں اور ملکوں میں کمیونزم اجاگر کرنے میں بڑے موثر ثابت ہوئے۔ لینن گراڈ کے ایک جریدہ "دی کمیونسٹ۔ ۱۸-۱۱ کتوبر ۱۹۴۷ء میں لکھتا ہے۔

" کمیونسٹ پارٹی مذہبی امور کے بارے میں غیر جانبدار نہیں رہ سکتی۔ وہ دینی رجحانات کے خلاف تمام پروپیگنڈوں کی سرپرستی کرتی ہے۔ اس ملک میں مذہب کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ ہماری جماعت علم اور محنت کو مقدم۔ مقدم اور مقدم سمجھتی ہے۔ اور ان بے سروپا مذہبی عقائد کی مخالفت کرتی ہے۔ تاکہ محنت کش عوام ان عقائد میں پڑ کر وقت ضائع نہ کریں۔"

یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ جب برصغیر پاک وہند میں ادیبوں، مصنفوں۔ شعرا، بالعموم جن کی مالی ابتر ہوتی تھی اور ویسے بھی وہ بادشاہی نظام سے کدورت رکھتے تھے۔ انہوں نے اس روسی اشتراکیت کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہی وہ صدی تھی جس کا پہلی چوتھائی مندرجہ بالا طبقے کے لئے روسی امداد لایا۔ کئی ادیبوں۔ شاعروں کو بڑی چاہت سے روس بلوایا گیا۔ اور دامے۔ درمے۔ سخنے انہوں نے راضی ہوکر اور یہاں آکر ترقی پسند مصنفین کی بنیاد ڈال دی۔

انگریز حکومت نے تعلیم کی رکابیں پہلے ہی ایک مخصوص طبقے کے لئے کس رکھی تھیں۔ باقی درمیانی اور نچلا طبقہ حالات واقعات سے معاشی الذہن بن گیا تھا۔ اس طرح اس صدی کی تیسری چوتھی دہائی کمیونزم نے اس برصغیر میں پنجے گاڑ دئیے۔ اس طرح اشتراکی ترقی پسند، مبلغوں (ادیبوں

شاعروں) نے ،موخر الذکر طبقے میں خوب اشتراکیت کا پرچار کیا۔جس کا خاطر خواہ اثر نکلا۔ نظام اشتراکیت سے نکلنے والی مہک نے مقامی اشتراکی مصنفین کے لئے Appetiser کا کام کیا۔ جس کے تمغے لگا کر یہ لوگ بہ نفسہ خود کو Elevated تصور کرنے لگے۔اور اس طرح انہوں نے روائیتی ادیبوں اور مصنفوں کی صفوں سے خود کو باہر نکال لیا۔اور ایک نیا لیبل لگا کر یہ صاحبان ترقی پسند بن کر مارکیٹ میں آگئے۔

ترقی پسند کی چھاپ نے ان ادیبوں کو بہت فائدہ پہنچایا۔ادھر لبرل اور روشن خیال کا شاعروں نے لیبل لگا کر مشاعروں، محفلوں میں انہوں نے اپنی صفیں روایتی اور قدامت پسند شعراء سے الگ کرلیں۔ لوگ بھی روایتی شاعروں کا کلام سن سن کر تنگ آچکے تھے۔ لہذا جلد ہی ترقی پسندوں کی حمایت اور کفالت کرنے لگے۔ملک کا نوجوان طبقہ جو بے روزگار تھا۔اور مزدور، نچلے درجے کے لوگ بہت متاثر ہوئے ۔اس طرح اشتراکی ادب ترقی پسندی کا جامہ پہن کر گلیوں، کوچوں میں بلائے بے درماں کی مانند پھیلتا چلا گیا۔

یہ تھا وہ آغاز جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب کی صورت میں اس ملک پر انگریزوں کے امپریلزم اور روس کے کمیونزم کی صورت میں نازل ہوا۔اور مدت تک ہماری قوم،ہماری ثقافت ،ہماری معاشرت،بلکہ ہماری اجزائے ترکیبی تک کو بدل کر رکھ دیا۔اس کے لئے ملاحظہ فرمائیں قرآن کیا کہتا ہے:

ترجمہ :- اس بات کی یہ سزا ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول اللہ کی مخالفت کی جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے۔اللہ اسکو سخت سزا دیتا ہے۔ (الانفال۔۱۳)

عذاب آنے کے بعد عذاب کے خمیازے زندہ بدست مردہ جینے والوں کو بھگتنے پڑتے ہیں۔ آئیے اب دیکھتے ہیں کہ اس عذاب کے پرفتن مہیب ادوار کے دروازے جب کھلے تو برصغیر کے ترقی پسند مصنفین اور روشن خیال شعراء کی صف اول میں بڑے بڑے جغادری اشتراکی ذہنیت کی تربیت یافتہ لوگوں نے کیا کیا گل کھلائے۔ جن کے نام اور کام لکھنے سے قلم کو ابکائی آتی ہے۔انہوں نے اشتراکیت کے پنگوڑے میں جھولتے ہوئے دین اور مذہب پر جو ضربات لگائیں۔ جو بے شرمی دکھائی۔اس سے بہتر تو وہ ہندو شاعر تھے ۔جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان مبارک میں بہترین نعتیہ کلام پیش کیا۔جسے سن کر اور پڑھ کر سب عش عش کر اٹھتے تھے۔ہم ہم مسلمان شعراء کے چند اشعار پیش کرتے ہیں۔جن کے نام ہم جان بوجھ کر لکھنے سے گریز کرتے ہیں۔انہی میں سے کئی روس کی اشتراکی حکومت سے وظیفہ خوار اور سند یافتہ تھے۔ان کے اشعار پڑھیئے اور سر دھنیئے (اگر کوئی دریافت کرے تو ہم نام بتا سکتے ہیں)۔

۱۔ وہ قرآن ہے۔ جو کلام الہیٰ گداؤں کو جس سے ملی پادشاہی
مگر اس کا مزدور پر یہ اثر ہے کہ سر دی ہے اور پیر ہن خستہ تر ہے۔

یعنی قرآن جو کلام الہیٰ ہے۔اس نے فقیروں (صحابہ کرام) کو بادشاہی دے دی۔مگر غریب مزدور کی مدد

نہ کرسکا۔ وہ پرانے پھٹے ہوئے کرتے میں سردی سے کانپ رہا ہے۔

۲۔ نہیں ہے یہ تو پھر وحی و پیغام کیسا
یہی جب نہ ہوں گے تو اسلام کیسا

یعنی جب پیسہ جیب میں نہ ہو تو وحی (قرآن) اور اسلام بیکار ہے۔ (پہلے مصرے میں 'یہ' اور دوسرے میں 'یہی' پیسے روپیہ کے لئے آیا ہے۔)

۳۔ اس احتیاج کی ماری عبادت میں عذاب پہنچا کسی کو نہ ثواب ملا
غرضیکہ خیر سے ہم خانماں خرابوں کو خدا بھی اپنی طرح خانماں خراب ملا۔

ایک اور شعر اسی بد بخت شاعر کا پڑھیئے

۴۔ خرابیوں کی یہ انتہا ہے خدا رکھے
شریک طالع بد ہے خدا خدا رکھے

لعنت مارے اس دہریئے شاعر نے خدا تعالیٰ کی شان میں کیسے کیسے الفاظ کہہ دئیے!

۵۔ جہاں ہم خشت خم رکھ دیں بنائے کعبہ پڑتی ہے
جہاں ہم ساغر ٹپک دیں چشمہ زم زم نکلتا ہے

پھٹکار اس روشن خیال شاعر اور ادیب پر جس نے کعبہ اور زم زم کو ایسی مثال دی ہے۔
کہاں کہاں سے اپنا دل صد چاک دکھاؤں۔ کتنا رؤوں ان ترقی پسند اور روشن خیال دہرائیے۔ ملحد۔ دشمن دین و مذہب ادیبوں، شاعروں پر جنھوں نے ناپختہ ذہنوں، کم تعلیم یافتہ طبقے، ناخواندہ نوجوانوں میں دہریت، لادینیت کے بیج بوئے۔ لکھنے پر آؤں تو یہ ہزار داستان بن جائے۔ اور تحریر پھر بھی تشنہ کام رہ جائے۔ آگے پڑھیے ان خبیثوں کے کارنامے:

۶۔ یوں شیخ حرم۔ پیر مغاں سے ہوئے یک جاں
میخانے میں کم ظرفی پر ہیز بہت ہے

۷۔ چاک ہر بام ہر اک در کا دم آخر ہے
آسمان پر کوئی پروہت ہے جو ہر بام تلے
جسم پر راکھ ملے ماتھے پہ سندور ملے
سرنگوں بیٹھا ہے چپ چاپ نہ جانے کب سے
اس طرح ہے کہ پس پردہ کوئی ساحر ہے
جس نے آفاق پہ ڈالا ہے کسی سحر کا دام۔

دیکھا اس روس کے وظیفہ خوار نے رب کائنات کے بارے میں کیا کیا لکھ دیا۔ اب وہ وہاں خود جواب دہ ہو گا!!

۸۔ ایک نظم کے کچھ اشعار پڑھیئے۔ یہ ہندوں کی "سیتا" کی عظمت۔ تعریف میں ایک مسلمان شاعرہ نے

فرمائے ہیں۔ جن سے آپ ضرور واقف ہونگے۔

تیرا (سیتا) نام لیکر سحر جاگتی ہے ۔ تیرے گیت گاتی ہے تاروں کی محفل
تری خاک پابند کاراز عظمت ۔ تیری زندگی مرے خوابوں کی منزل
تیرا نام لیکر اب اٹھنا ہی ہوگا ۔ مٹائے نہیں مٹتی یہ بے تابی دل
تیرے سوز دل سے ہو جو شمع روشن اسی کے اجالے میں ڈھونڈوں گی منزل

کاش یہ شاعرہ اللہ اور رسول اللہ کا نام لیکر صبح کو اٹھتی ۔ مگر یہ ملحدہ شاعرہ تو سیتا کا نام لیکر اٹھتی تھی ۔ جیسا کہ اس نے شعرا 'تین' میں لکھ دیا ہے۔

اس کے علاوہ ان روشن خیال ۔لبرل مصنفین ۔ ادیبوں ۔ شاعروں کی لمبی فہرست ہے ۔ جن مردہ ضمیروں نے کمیونزم اور اشترا کیت کو دین ومذہب کے مقابلے میں قد آور بنانے میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں کیا۔ مگر پھر آہستہ آہستہ سویٹ روس کے وہ دعوے جو لینین نے کئے ۔ جو بالشکزم اسٹالین نے پھیلایا۔خروشیف اور ریگن ئے سہارے لگا کر ان کو پشت پناہی دی ۔سب باطل ہوتے چلے گئے۔ مملکت "روسیاہ" میں کمیونزم روبہ زوال ہوتا چلا گیا۔ادیبوں، مصنفوں اور شاعروں نے وقت کے ساتھ اپنی کینچلیاں بدل لیں۔اپنے آپ کو ترقی پسند کی جگہ 'لبرل' کہلانا شروع کر دیا۔

اب امریکہ ایک سپر پاور بن کر ابھرنے لگا۔ جس نے تمام دنیا بالخصوص دنیا اسلام میں اپنے اثر ونفوذ اور اپنی تہذیب و تمدن کو پھیلانے میں خوب کردار ادا کیا۔ امریکی دانشور جانتے تھے ۔ کہ ان کی حیاباختہ تہذیب کے مقابلے میں اسلامی تہذیب اپنی حیا وعفت کے پاکیزہ تصورات کے اعتبار سے بدرجہا بہتر ہے ۔ لہذا اس اسلامی تہذیب کو ختم کرنے کے لئے اپنی سرگرمیاں تیز کر دی گئیں ۔ اور جن جن محاذوں پر (اسلامی ممالک میں) لچک نظر آئی وہاں وہاں سر گرمیاں مزید تیز کر دیں۔

حقوق نسواں کے عنوان سے مسلمان عورتوں میں اپنے مذہب، اپنی ثقافت سے نفرت، بیگانگی، اسلامی تعلیمات سے بیزاری ۔اور پردے پابندی کے برعکس آزادی سے مردوں سے خلط ملط ہونا۔ جنسی بے راہ روی، حیا وعفت کے اسلامی تصورات سے بے نیازی کے دروازے کھول دئیے ۔سونے پرسہاگہ یہ کیا کہ مخلوط تعلیم، مخلوط ملازمتیں، مخلوط معاشرت ومساوات مرد وزن کی آڑ لیکر خوب ڈھنڈورے پیٹے ۔ مغربی نظریات کی اجا گری ایسے عوامل ہیں ۔ جنھوں نے اسلامی نظریات و کلچر کی جڑیں کو کھلی کر ڈالیں جس کے نتیجے میں آج نوجوان نسل پروان چڑھی ۔ لبرل ازم سے سرشار ہو کر (نام اسلامی کام کافرانہ) ہماری وہ یہود سے پیوستہ لبرل مسلمان ہوتی جاری ہے ۔ آپ کو لبرل مسلمان کا ایک ذاتی لطیفہ سناتا ہوں کہ یہ کیسے ہوتے ہیں؟ ۔ راقم ایک دن نیو آرلینز (New Orleans) کے ایک ہوٹل میں اپنے ملتانی دوست جنھوں نے عرصہ بیس سال سے وہاں رہائش رکھی ہوئی ہے ۔میری دعوت کی۔ کھانے کے وقت انھوں نے پہلے دختر رز سے شوق فرمایا۔ مگر جب کھانے کے آرڈر میں پورک (سور کے گوشت) کی زور سے تردید کی۔ تو میں نے دریافت کیا کہ اے بھائی! تم نے ابھی شراب پی ہے تو پھر پورک سے گریز

کیوں کرتے ہو۔ کہنے لگے۔ " ڈاکٹر صاحب میں 'لبرل مسلمان' ہوں۔ شراب پی لیتا ہوں۔ مگر سور نہیں کھاتا" اب ہم پاکستان میں اس دور حکومت پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو صورت حال بھیانک نظر آتی ہے۔ جن مغربی اقوام کی ہم حرص کر رہے ہیں۔ ان کی معاشی، صنعتی، سائنسی، نیو کلئیر اور تعلیمی میدان میں برتری اور روز افزوں ترقی تو ہمارے صاحب اقتدار لوگوں کو نظر نہیں آتی۔ البتہ فحاشی، بے حیائی، کھیل تماشے، مفاد پرست غیر ملکی آقایان ولی نعمت کے اشاروں پر ناچنے والی کٹھ پتلی حکومت اسلام کا خول چڑھا ہے۔ تسبیح کے دانوں پر کرسی، کرسی کے وظیفے پڑھتے جمہوری وطیروں اور استعماری ہتھکنڈوں سے اکیسویں صدی میں قدم رکھنے کی شائق بلند دعوں کے بینر اٹھائے مادی افکار و خیالات۔ نام و نمود کی خواہش خاتون مشرق ذاتی لائحہ عمل پر دوڑتی چلی جارہی ہے۔

رونا تو یہ ہے کہ حکومت اور حزب اختلاف دونوں مذہب اور دینی روابط کو اپنے مخصوص مصالح اور ذاتی مفاد کے لئے استعمال کرتے چلے آرہے ہیں۔ ان کی نشوونما کو دین کی بے وقعتی، دینی مستقبل سے مایوسی، اہل دین کی تحقیر، مغربی تمدن کی غیر محدود تقدلیس۔ مادی اقدار اور غیر اسلامی رجحانات کے پلیٹ فارم پر اٹھایا گیا ہے۔ جس میں دینی لحاظ سے دور رس اور بالغ نظری کا فقدان ہے۔ ملی انحطاط، قومی تنزل جو "لبرل مسلمان" کہلانے والوں کے علمبر دار ان کی پیشانی پر ہے۔ سب اسلامی تعلیمات کی روح و پیغام سے دوری کا نتیجہ ہے۔ جس سے قوم کے دماغ و اعمال کی اصلاح ہو سکے۔ جب ورلڈ کپ کے لئے ہماری کرکٹ ٹیم اٹلانٹا کھیلنے گئی تو ٹی۔ وی کے جہاں رنگ و نظر میں ایک فحاشی، عریانی، ناچ گانے کا سیلاب آ گیا۔ حکومت کی سرپرستی میں نشریاتی رابطوں پر قوم کے سامنے پاکستانی ثقافت کے نام پر پوری دنیا نے دیکھا۔ ڈش پر جس ڈھٹائی سے ایک نظریاتی مملکت اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے دستور و آئین کا مذاق اڑایا گیا۔ جس بے باکی سے اسلامی تشخص کی دھجیاں اڑائی گئیں۔ جس طرح دو قومی نظریے کو جسکی بنیاد پر پاکستان معرض وجود میں آیا تھا اس کو متعفن کیا گیا۔ چادر اور چار دیواری کی قسمیں کھانے والی عورت نے عورت کی ردائے عفت کو تار تار کیا۔ مادر پدر آزاد کلچر کو فروغ دینے میں شب و روز صرف کئے گئے۔ ثقافت کے نام پر بازاری طوائفوں کو ڈش پر تمام عالم کے سامنے پیش کر کے اسلامی نام و نمود کا جنازہ اٹھایا گیا۔ اس سے ملک و ملت کی اسلامی حیات اور نظریاتی اساس کو کسی قدر چوٹ لگی۔ ہر درد مند دل جس میں اسلامی غیرت کی رمق بھی باقی تھی۔ رو دیا یہ سب ہی جانتے ہیں۔

اس کلچر پالیسی کی وجہ سے جوان نسل، لبرل ازم کے شکار و پیر و کار تباہی و گمراہی کے آخری حدود تک پہنچ گئے۔ ٹی۔ وی نے جو ورلڈ کپ کی آڑ میں فحاشی اور عریانی پیش کی۔ گلیوں اور بازاروں میں ایسے مناظر عام ہو گئے جنہیں جنس زدہ گانے، سفلی پاپ سانگ جنہیں باشعور شخص دیکھنے اور سننے سے قاصر ہے۔ لبرل ازم کی منطق کو مفید ثابت کرنے کے لئے نشریاتی ادارے کی سربراہی ایک ترقی پسند، آزاد خیال بلکہ مادر پدر آزاد، یورپی تہذیب کی دلدادہ عورت کے ہاتھ میں تھما دی گئی۔ جس نے آتے ہی دعوی

کیا کہ P.T.V کی جلوہ افروزیوں اور رعنایوں میں بہت جلد ZEE.T.V اور M.T.V کو پیچھے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور واقعی جلد ہی سب نے دیکھا کہ جس پروگرام پر نظر ڈالیں عفت و عصمت، شرم و حیا کا جنازہ اٹھتا نظر آتا ہے۔ ماں باپ اپنے بچوں کے ساتھ یہ سب کچھ دیکھنے سے عاجز ہیں۔

اہل مغرب نے اقوام متحدہ کی قیادت میں گذشتہ سال ایک نیا شوشہ چھوڑا۔ یہ تھا "عالمی خواتین کانفرنس" جو بیجنگ میں منعقد ہوئی۔ دراصل یہ اس تسلسل کی ایک کڑی تھی۔ جسکی پہلی کانفرنس ۱۹۵۵ء میں میکسیکو سٹی میں ہوئی تھی۔ دوسری کانفرنس ۱۹۸۰ء میں کوپن ہیگن اور تیسری ۱۹۸۵ء میں نیروبی میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد گذشتہ سال ۱۹۹۵ء میں قاہرہ میں ہوئی۔ ۱۹۹۵ء کی بیجنگ کانفرنس میں یہ کوشش کی گئی تھی۔ کہ ان قراردادوں کو منظور کرلیا جائے، جو قاہرہ کانفرنس میں منظور نہ ہوسکی۔

اگر آپ ایک نظر یہودی اور عیسائی دانشوروں کے ترتیب شدہ ایجنڈے پر نظر ڈالیں۔ تو اسکا پیرا گراف صرف شریعت اسلامیہ کی تذلیل و توہین ہی سے نہیں بلکہ خود عورت ذات کی عفت و عصمت سے ٹکراتا ہے۔ اور غیر فطری کاموں کے ذریعے تمام اخلاقی قدروں کی پامالی کی دعوت دیتا ہے۔ اس لائحہ عمل کے مقاصد کو انتہائی اختصار کے ساتھ ہم تحریر کرتے ہیں۔ آپ غور کریں کہ "لبرل مسلمان" اور مغربی اذہان میں کیا قدر مشترک ہے۔

* مرد اور عورت کے درمیان تمام فاصلے ختم کردینے ضروری ہیں۔
* اولاد کی پرورش سے عورت کو آزاد کردیا جائے۔ چونکہ یہ ذمہ داری عورت کی راہ میں رکاوٹ ڈالتی ہے
* لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنی جنسی زندگی میں کسی کا دخل نہ ہو۔ انہیں یہ زندگی جس طرح چاہیں گزارنے کا اختیار دیا جائے
* جسمانی لذت کے متعلق ہر مرد عورت کی حریت کو قانون تحفظ دیا جائے۔
* اسکولوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کو جنسی تعلیمات سے بخوبی روشناس کرایا جائے۔
* مخلوط تعلیم کی ہمت افزائی کی جائے۔ لڑکیوں کے الگ تعلیمی ادارے آہستہ آہستہ بند کئے جائیں۔
* جلد ہی شادی کے ہدف کو کم کرنا ضروری ہے۔ یہ مرد اور عورت کی تعلیم و ترقی میں رکاوٹ ہے۔
* برتھ کنٹرول، منصوبہ بندی، اسقاط حمل کو فروغ دیا جائے۔ تاکہ عورت کی صحت برقرار رہ سکے۔
* جنسی تعلقات بڑھانے، ہم جنس پرستی قدرتی عوامل ہیں۔ لہٰذا انہیں قانونی شکل دی جائے۔
* گھر سے باہر نکلنے، کسی قسم، کسی جگہ بھی کام کرنے پر عورت پر کوئی پابندی نہ ہونی چاہئے۔ عورت اور مرد کا فرق ختم کیا جائے۔

یہ بیجنگ کانفرنس کے اہداف میں چند نکات ہیں۔ بعض اس قدر شرم آمیز ہیں کہ ہمارا قلم وہ لکھنے سے عاجز ہے۔ بہر حال پورے مسودے میں کہیں بھی شوہر بیوی کے الفاظ استعمال نہیں ہوئے بلکہ ان کی جگہ "پارٹنر اور فرینڈز" کے الفاظ اور اسی طرح "نابالغ ماؤں اور نوجوان ماؤں" کی صحت عامہ کی جانب توجہ دینے کے الفاظ ڈھٹائی سے رقم کئے گئے ہیں۔ اور کہیں عورتوں یا بیویوں کا ذکر نہیں ہے۔

قاہرہ اور بیجنگ کانفرنسوں میں حکومت پاکستان کی ویمن ڈویژن نے خوب شد ومد کے ساتھ شرکت کی اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان دونوں کانفرنسوں کی صدارات کا اعزاز جنابہ بے نظیر بھٹو وزیر اعظم کو ملا۔ جنہوں نے خوب تقریریں کرکے پاکستان جمہوریہ اسلامی کا نام خوب روشن کیا۔ اور تحقیق بھی فرمائی کہ لبرل ازم اور سیکولر ازم اسلام کی شاہراہ کا "مائل سٹون" ہیں۔ کاش انہوں نے قرآن پڑھا ہوتا۔

"ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والاٰخرۃ"۔

ترجمہ :- جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو ان کے لئے سخت عذاب ہے دنیا اور آخرت میں۔

اقوام متحدہ کے زیر اہتمام عالم اسلام میں فحاشی، جنسی آزادی، بد کاری، بے حیائی پھیلانے کا جو عالمی منصوبہ تیار کیا گیا ہے۔ دیکھیئے تو بھلا اسلام کی قدروں سے کس قدر متضاد ہے۔ جہاں عورت کے متعلق اسلام فطری قانون یعنی عورت کی عزت، پاک دامنی، عفت وعصمت کی مکمل ضمانت دیتا ہے۔ آج کل جو کچھ ہو رہا ہے اس کے نتائج پر نظر ڈالیں تو مایوسیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ دراصل ہمارے علماء کرام اور راہنمایان ملک وملکت اپنے دینی وملی فریضوں کی ادائیگی اور حکمرانوں کے سامنے کلمۃ الحق کہنے کی جرات نہیں رکھتے۔ مناصب اور عہدوں کے لئے جنگ وجدل، زور آزمائی، رسہ کشی ترک نہیں کرتے۔ اور جب تک زعمائے کرام بذات خود زہد و تقویٰ، عزت نفس اور دینی جرات واستقامت کی عملی مثالیں قائم نہیں کرتے، اس وقت تک مملکت خداداد پاکستان آتش فشاں کے دہانے پر کھڑی رہے گی۔

(((وما علینا الا البلاغ)))

جناب شیخ زادہ ابوالافکار زہراوی

جمعۃ المبارک کی ہفتہ وار تعطیل کی منسوخی اور دینی حلقوں کی ذمہ داری

اتوار کو ہفتہ وار تعطیل کا حکومتی فیصلہ دینی تشخص سے انحراف اور اسلامی اقدار سے صریح بغاوت ہے۔ جمعۃ المبارک کے روز ہفتہ وار تعطیل کی بنیاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ تاریخی فیصلہ ہے جس میں انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہما سے باہمی مشورے کے بعد اسلامی افواج کو جمعہ کے روز ہفتہ وار تعطیل کا حکم صادر فرمایا اور صدیوں سے اسلامی دنیا میں یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ اگرچہ برصغیر سمیت عالم اسلام کے دیگر کئی خطوں پر فرنگی اور فرانسیسی سامراج کے تسلط کے بعد مسلمانوں کو اتوار کی ہفتہ وار تعطیل سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر سامراجی قوتوں سے آزادی حاصل کرنے کے بعد اکثر مسلم ممالک میں جمعۃ المبارک کی ہفتہ وار تعطیل کا سلسلہ دوبارہ بحال ہوگیا۔ وطن عزیز پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے اپنے دور اقتدار کے دوران اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب اور جمعۃ المبارک کو ہفتہ وار یوم تعطیل قرار دے کر پاکستان کے اسلامی تشخص کو اجاگر کیا۔ جبکہ پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے کا داعی موجودہ حکومت اتوار کو ہفتہ وار یوم تعطیل قرار دینے کا فیصلہ کرکے پاکستان کے اسلامی تشخص کو مٹانے کے عملی اقدام کا مظاہرہ کررہی ہے۔ نظام خلافت راشدہ کے نفاذ کے عزائم کا اظہار کرنے والوں نے خلیفہ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے انحراف کرکے اپنے عزائم کو مشکوک بنادیا ہے۔ اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنے والی ریاست میں ستم بالائے ستم یہ ہے کہ جمعۃ المبارک کی نماز اور تعظیم جمعہ سے پہلو تہی کرنے والوں کے خلاف کسی قسم کی تعزیری کاروائی عمل میں لانے کے برعکس قرآنی آیات کی غلط آڑ لے کر مخصوص مقاصد کی تکمیل کے لیے نماز جمعہ کا اہتمام کرنے والوں سے قانونی رعایت سلب کرنے کی مذموم جسارت کی جارہی ہے۔ شریعت کو سپریم لا ماننے سے انکار اور عدالت عدلیہ کے سود کو حرام قرار دینے کے فیصلے کے خلاف عدالت عظمیٰ میں اپیل کرنے جیسے اقدامات مول لینے کے بعد حکومت ادھوری آزادی کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر غلامی کے باقی ماندہ طوقوں کو گلے سے اتارنے کے برعکس غلامی کی علامت کے اتارے گئے طوق کو دوبارہ قوم کے گلے میں ڈال کر شاید غلامی کے دور کی واپسی کا عندیہ ظاہر کررہی ہے۔

قرآن وحدیث میں چھٹی کے عدم ذکر کی بنا پر بعض حلقوں کا یہ زعم کہ اسلام میں چھٹی کا کوئی تصور نہیں، سراسر لاعلمی اور کوتاہ فہمی کا نتیجہ ہے۔ دین وعلم کی مسند پہ قابض اس فکر وتدبر اور شعور وفراست سے عاری طبقے کو معلوم ہونا چاہئے کہ اصول وضوابط کے ماخذ قرآن وحدیث کے علاوہ اور بھی ہیں۔ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے اقوال واعمال امت مسلمہ کے لیے حجت اور مشعل راہ ہیں۔ یہ بجا

ہے کہ قرآن وحدیث کی رو سے چھٹی نہ فرض ہے۔ نہ واجب لیکن فرمان نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین" (کہ تم پر میری اور خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے)اور ماانا علیہ واصحابی(کہ قابل عمل ونجات طریقہ میرا اور میرے صحابہ کا ہے) کی رو سے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کے جمعہ کو ہفتہ وار چھٹی کے مشاورتی فیصلے کے بعد اسلام میں تعطیل کے عدم تصور کے واویلے کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے ؟ نیز ارشاد نبوی السنۃ سنتان سنۃ من نبی مرسل وسنۃ من امام عادل (کہ قابل اتباع طریقے دو ہیں۔ مبعوث شدہ پیغمبر کا طریقہ اور عادل حکمران کا طریقہ) کے مطابق اسلامی سلطنت کے عادل فرمانروا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلامی تشخص پر مبنی جمعہ کو ہفتہ وار تعطیل کا مدبرانہ انتظامی فیصلہ مسلم ریاستوں کے لیے قابل تقلید انتظامی ضابطہ اور طریقہ قرار پاتا ہے۔ اب سنت خلفاء راشدین یا تعامل امت سے انحراف کے راستے کو قابل تحسین قرار دینا کہاں کی علم دوستی اور کہاں کی اسلام پسندی ہے ؟ چونکہ صدیوں سے اتوار کی تعطیل نصرانی تشخص کی علامت اور جمعۃ المبارک کی تعطیل اسلامی تشخص کی نشانی چلی آرہی ہے۔ اس لیے فرمان نبوی
من تشبہ بقوم فھو منھم (یعنی جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی، وہ انہی میں سے ہے) کے مطابق جمعۃ المبارک کی ہفتہ وار تعطیل منسوخ کرکے اتوار کو ہفتہ وار یوم تعطیل قرار دینا نصاریٰ سے مشابہت اور اسلامی تشخص سے بغاوت ہے۔ نصاریٰ سے مشابہت پر مبنی اتوار کی ہفتہ وار تعطیل کو اقدام سمجھ کر اس کی حمایت کرنے والے اسلام پسندوں کو انتظامی مصلحت سے زیادہ اسلامی تشخص کے حوالے سے اس امر پر رائے زنی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اصل معاملہ مملکت اسلامیہ پاکستان کے اسلامی تشخص کی حفاظت کا ہے۔ اگر اتوار کی تعطیل کے حامی اسلام پسند طبقے پتلون شرٹ اور ہیٹ زیب تن کرکے خطبہ جمعہ اور امامت نماز کا اہتمام شروع کردیں تو ظاہر ہے اس صورت میں شریعت کی رو سے خطبہ اور نماز کی ادائیگی کا عمل تو جائز مقصود ہوگا مگر اس سے اسلامی تشخص ضرور پامال اور مجروح ہوگا۔ اور تشخص کی پامالی کے اس عمل کو اتوار کی تعطیل کا حامی طبقہ بھی یقیناً ناپسند حرکت اور ناقابل قبول اقدام قرار دے گا۔ فافہم وتدبر

کیا حکومتی رائے سے متفق اسلام پسند حلقے جامع مسجدوں میں نماز جمعہ کی قلیل حاضری کی بناء پر مسجدوں کی حیثیت تبدیل کرنے یا ہر ہر محلے میں قلیل حاضرین پر مشتمل نماز جمعہ کی ادائیگی کے عمل کو ترک کرکے ملی وحدت یا انتظامی مصلحت کے پیش نظر ذاتی حیثیت اور مسلکی تشخص مٹا کر ایک ہی جگہ یا چند ایک بڑے مقامات پر نماز جمعہ کے اہتمام کی تجویز سے اتفاق کریں گے ؟ یا ارباب اقتدار انتخابات میں ووٹروں کی کم حاضری کی بناء پر عوام سے جمہوری سسٹم سلب کرنے کی اجازت دینے یا ملی وحدت کے اظہار کے لیے جماعتی تشخص کو مٹا کر حزب اقتدار اور حزب اختلاف کو اسمبلیوں میں بلا تفرق اکٹھا بٹھانے اور حکومتی عہدوں کو باہم تقسیم کرنے پر راضی ہوں گے ؟ ظاہر ہے کہ ان تجاویز کو یہ دونوں طبقے کبھی قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ جب اپنے مسلکی اور سیاسی تشخص کو مٹانے یا

ذاتی حیثیت و وقار کو قربان کرنے پر دونوں طبقے آمادہ نہیں ہیں تو پھر مسلم ریاست کے اسلامی تشخص کو مٹانے یا ملک کی اسلامی اقدار سے بغاوت کرنے پر حکومتی اور نام نہاد دینی حلقوں کا اتفاق ان کے غیر منصفانہ طرز عمل کا منہ بولتا ثبوت نہیں تو اور کیا ہے ؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقت کی عکاسی کرنے والا ارشاد گرامی صنفان من امتی اذا صلحوا صلحت الامۃ الامراء والفقہاء (یعنی حکام اور علماء پر مشتمل میری امت کے دو طبقوں کی جب اصلاح ہو گئی تو ساری امت کی اصلاح ہو جائے گی) جہاں موجودہ ملی اور اجتماعی، فکری اور عملی بگاڑ کا ذمہ دار ان دونوں طبقوں کو قرار دیتا ہے تو وہاں ان دونوں طبقوں کو (معدودے چند افراد کے سوا) اپنی اصلاح کی فکر دیتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب تک یہ دونوں طبقے اپنی اصلاح نہیں کریں گے، ملک وملت کی اصلاح ناممکن اور محال ہے۔

جہاں تک جمعہ کی ہفتہ وار تعطیل ختم کرنے کے حکومتی دلائل کا تعلق ہے تو یہ بات کسی بھی باشعور سے مخفی نہیں کہ نماز جمعہ میں حاضرین کی کمی کا سبب جمعہ کے روز سیر وتفریح یا شادی کی تقریبات کا انعقاد نہیں بلکہ اس کی اصل وجہ تو لوگوں کی دین سے دوری، آزاد خیالی اور اسلام سے شعوری اور عملی بے تعلقی ہے۔ اور ویسے بھی سیر وتفریح کا اہتمام اور شادی بیاہ کی تقریبات کا انعقاد سال بھر کے ہر جمعہ نہیں ہوتا۔ بلکہ سیر وتفریح اور شادی بیاہ کے اکثر پروگرام تو صرف سال بھر میں دو تین مخصوص موسموں میں انجام پاتے ہیں۔ بلکہ اب تو شادی بیاہ کی اکثر تقریبات بجائے دن کے رات کو منعقد ہونے لگی ہیں اور رات کو منعقدہ ان تقریبات کے نماز جمعہ پر اثر انداز ہونے کا دعویٰ سراسر بے بنیاد ہے۔ اب چاہئے تو یہ کہ حقیقی اسلامی معاشرے کی راہ ہموار کرنے کے لیے صلوۃ کمیٹیوں یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بااختیار ادارے کا قیام عمل میں لایا جائے یا مساجد میں انعقاد نکاح کے نبوی حکم کی تعمیل کی خاطر کوئی قانون وضع کیا جائے اور مساجد میں نماز جمعہ کے بعد خطبہ نکاح کی انجام دہی کو رواج دے کر نماز جمعہ سے کوتاہی کے مرتکب افراد کو مساجد میں لانے کی راہ ہموار کی جائے مگر یہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہو رہا ہے کہ جمعہ کی تعطیل ختم کر کے نماز جمعہ کا اہتمام کرنے والوں کو مختلف قسم کی الجھنوں اور مسائل سے دوچار کیا جا رہا ہے۔ اس حقیقت سے کون بے خبر ہے۔ کہ یہود، نصاریٰ تمام تر مذہب بیزاری اور مادیت پرستی کے باوجود اپنے مذہبی دن کی تعظیم اور اسے یوم تعطیل قرار دینے کے فیصلے سے بالکل انحراف نہیں کر پائے یہاں تک کہ بے نظیر حکومت کو بھی مذہب بے زاری کے تمام تر الزامات کے باوجود جس اقدام کے کرنے کی ہمت نہیں ہوئی، مذہب پسند گھرانے کے فرد، مسلم قومیت کی علمبردار جماعت کے قائد اور اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنے والی ریاست کے وزیر اعظم نے اس غیر مستحق اقدام کو فی الفور کر دکھایا۔ حقیقت بین نگاہ سے دیکھا جائے تو اجتماعی دینی اور ملی تقاضوں کو پس پشت ڈال کر مادیت پرستی کو پروان چڑھانے کا یہ حکومتی اقدام قوم کو سیکولر نظریات پر گامزن کرنے کی ایک فریب چال ہے۔ اگر ایسا اقدام تجارتی اداروں کے ایما پر کیا جا رہا ہے تو جمعہ کے روز ہفتہ وار تعطیل کرنے والی عرب ریاستوں کو مغرب سے تجارتی روابط

میں کسی قسم کی دشواری کا سامنانہ کرنے کے باوجود اگر وطن عزیز پاکستان کے تجارتی اداروں کے مغربی دنیا سے ربط میں کسی قسم کی کوئی دشواری حائل تھی تو بھی ایسی ناگزیر صورت میں ان اداروں کو جمعہ کی تعطیل سے مستثنیٰ قرار دینا ہی قرین قیاس وانصاف تھا، نہ کہ پوری قوم کو چند تجارتی اداروں کے مفادات کی بھینٹ چڑھانا۔ اور حکومت کی استثنائی اجازت سے جہاں ان اداروں کی درپیش مشکلات کا مداوا بھی ہوجاتا تو وہاں دیگر تمام اداروں میں جمعہ کی ہفتہ وار تعطیل سے مملکت اسلامیہ پاکستان کا اسلامی تشخص بھی برقرار رہتا اور ملک کے مختلف اداروں میں ہفتہ وار تعطیل کا تفاوت بھی کوئی قابل تحیر اور باعث تشویش مسئلہ نہیں کیونکہ صوبائی حکومتوں کی یک روزہ ہفتہ وار تعطیل اور بعض وفاقی اداروں کی دو روزہ ہفتہ وار تعطیل جیسے فرق سے بھی تو کسی قسم کی کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہوئی۔

تعطیل جمعہ کی منسوخی اسلامی تشخص کی پامالی کے علاوہ دیگر کئی مشکلات کا سبب بھی بن رہی ہے۔

(۱) جمعہ کے شب وروز کو باقی ایام پر خصوصیت حاصل ہونے کی بنا پر اہل اللہ صدیوں سے ان خیر و برکات کے اوقات کو یاد الٰہی، ذکر حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور فکر و تعلیم کی مجالس کے لیے مخصوص کرتے چلے آرہے ہیں۔ مادیت پرستی اور بگاڑ کے اس ماحول میں یہی چند حلقے اور افراد معاشرہ کو سدھارنے کا قابل قدر کام انجام دے رہے ہیں۔ جمعہ کی ہفتہ وار چھٹی کی صورت میں جہاں ملازم پیشہ افراد کی ایک معتدبہ تعداد کو تبلیغی جماعت، دعوت اسلامی اور تزکیہ واحسان کی مجالس میں شریک ہو کر ایمان و یقین کی دعوت نیز عبادت و ریاضت اور شب بیداری کے عمل سے سیرت و کردار کی تعمیر کا مناسب موقع مل جاتا تھا تو وہاں ایک خاصی بڑی تعداد کو جمعہ کی چھٹی کی وجہ سے دور دراز جا کر علم و فضل کے پیکر بزرگوں کے پند و نصیحت سے لبریز خطبات جمعہ سے مستفید ہونے کا موقع میسر آجاتا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ تعطیل جمعہ کی منسوخی ایسے مراکز یا شخصیات سے وابستہ ملازم پیشہ افراد کے ان دینی تقاضوں میں مشکلات پیدا کردے گی۔

(۲)۔ فرمان نبوی کے مطابق نماز جمعہ سے پہلے غسل کرنا، صاف ستھرا لباس زیب تن کرنا، مسواک کرنا اور خوشبو لگانا سنت ہے۔ اور تعطیل جمعہ کی منسوخی کی صورت میں ملازم پیشہ افراد کی ایک بڑی تعداد کا موسم گرما و سرما میں غسل کی بابت مشکلات سے دوچار ہونا ایک لازمی امر ہے۔ موسم گرما میں اگرچہ سکول و کالج اور دیگر دفاتر میں جانے سے پہلے غسل کا عمومی رواج ہے۔ مگر عین دوپہر کے وقت سورج کی تپش اور حرارت انسان کو پسینہ سے شرابور کردیتی ہے۔ اور دوپہر کے وقت چھٹی کے بعد گھروں کو سدھارنے والے ملازمین کا دوبارہ غسل کے بغیر نماز جمعہ کو جانا ایک مشکل اور تکلیف دہ امر ہے۔ اب چھٹی کے بعد محدود وقت میں بوند بوند ٹپکانے والے سرکاری نلوں کے پانی سے کئی افراد خانہ غسل کا کرنا کوئی آسان عمل نہیں۔ اور چونکہ پاکستان کی اکثر آبادی سوئی گیس اور گیزر کی سہولت سے محروم ہے اور اس سہولت سے محروم لوگ موسم سرما میں غسل جمعہ کے لیے خوب دن چڑھے تمازت آفتاب کے وقت کا انتظار کرتے ہیں۔ اور غسل سے فراغت کے بعد سورج کی تپش میں بیٹھ کر کی برودت اور

ٹھنڈک کا سامان کرتے ہیں۔ ان سہولتوں سے محروم ملازم پیشہ افراد یا تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم طلباء موسم سرما میں سردی کی وجہ سے بوقت صبح تو غسل کرنے سے رہے۔ اب سکول و دفاتر سے چھٹی کے بعد واپسی محدود وقت میں غسل اور تمازت آفتاب کا عمل شرکت جمعہ میں تاخیر بلکہ نماز جمعہ تک سے محرومی کا سبب بنے گا۔ یا پھر ایسے افراد کو غسل جمعہ کی سنت کے بغیر ہی خطبہ اور نماز جمعہ میں شرکت کرنا پڑے گا۔

(۳)۔ سکول اور دیگر سرکاری اداروں میں ملازم پیشہ ایسے دینی تعلیم یافتہ افراد جو اپنی جائے ملازمت کے علاوہ قریب وبعید دیگر مقامات پر خطبہ جمعہ دیتے ہیں، تعطیل جمعہ کی منسوخی کے سبب یا تو انہیں خطابت جمعہ کے منصب سے ہاتھ دھونا پڑے گا یا پھر ہر جمعہ کو مستقل رخصت سے دوچار ہو کر انہیں اس ذمہ داری کو نبھانا ہو گا۔ ادھر ملازمت کی محدود رخصتیں انہیں اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیں گی۔

(۴)۔ سرکاری مدارس کے ساتھ ساتھ دینی مدارس اور مساجد میں زیر تعلیم طلباء وطالبات کا سرکاری اور دینی مدارس کی مختلف ایام کی ہفتہ وار تعطیل کی وجہ سے چھٹی سے یکسر محروم ہو جانا ایک لازمی امر ہے۔ کیونکہ دینی مدارس ومساجد سے طلباء وطالبات کو اگرچہ جمعہ کے دن چھٹی ہو گی مگر انہیں سکول میں عدم تعطیل کی بنا پر اس دن سکول ضرور حاضر ہونا پڑے گا۔ اسی طرح اتوار کو تو انہیں سکول سے چھٹی ہو گی مگر دینی مدارس ومساجد کی دو وقت کی حاضری کی وجہ سے ان کے ہاں چھٹی کا تصور معدوم ہو جائے گا۔

(۵)۔ جمعرات کو نصف اور جمعہ کی مکمل اور متصل تعطیل کی وجہ سے ملازم پیشہ افراد کو ڈیڑھ دن کا وقفہ میسر ہو جاتا تھا۔ جس کی بنا پہ گھروں سے دور ملازمت کرنے والے افراد کو اپنے اہل خانہ کے پاس جانے اور دیگر ملازمین اپنے عزیز واقارب سے ملاقات سمیت کئی ذاتی اور خاندانی امور انجام دینے کی سہولت حاصل ہو جاتی تھی۔ جبکہ جمعہ کی نصف اور اتوار کی مکمل چھٹی کا جداگانہ وقفہ نہ صرف ایسے افراد کے کاموں میں رکاوٹ کا سبب بنے گا۔ بلکہ موجودہ ترتیب ہفتہ کے روز اکثر اداروں میں کام کی رفتار پر بھی اثر انداز ہو گی۔ اس لیے عقل ودانش اور اسلامی تشخص کا تقاضا یہی ہے کہ اتوار کی ہفتہ وار تعطیل منسوخ کر کے فی الفور جمعہ وار تعطیل کا سلسلہ بحال کیا جائے۔

جمعہ کو ہفتہ وار تعطیل کے تاریخی پس منظر یا اسلامی تشخص پر اثر انداز ہونے والے اثرات سے ناواقفیت کی بنا پر حکومتی اقدام کو سراہنے یا اس پر خاموشی سادھنے والے دینی حلقے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں کیونکہ حکومتی فیصلے کے منطقی نتائج کے ادراک سے محروم یا مصلحت کوشی کے شکار دینی طبقات درحقیقت شعوری یا لاشعوری طور پر پاکستان کو سیکولر ریاست بنانے کی حکومتی سازش کے مکمل حصے دار بن رہے ہیں۔ دینی حلقے دور اندیشی اور بیدار مغزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان جیسی مذہبی اقدار کی محافظ ریاست کو مکمل امریکی نو آبادیاتی ریاست یا سیکولر سٹیٹ میں تبدیل کرنے کی اس ریہرسل کے سامنے سد سکندری بن جائیں اور اس سلسلے میں دینی حلقوں کی مصلحت کوشی نہ صرف

بقیہ ص ۳۲

جناب ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور بیور کریسی"

(آخری قسط)

عمال کی تنخواہیں ان کی ضرورت اور شہر کے حالات کو مد نظر رکھ کر مقرر کی جاتی تھیں۔ حمص کے عامل عیاض بن غنم کو ایک دینار، ایک بکری اور دو رطل غذائی اجناس یومیہ ملا کرتی تھیں۔ آپ نے کوفہ میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کو سرحدوں کی دیکھ بھال کرنے، عثمان بن حنیف کو خراج وصول کرنے اور عبداللہ بن مسعود کو بیت المال کی نگرانی کرنے، لوگوں کو قرآن سکھانے اور انہیں دین سے آگاہ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ ان تینوں کے لئے ایک بکری یومیہ مقرر تھی۔۔ عمار بن یاسر کو نصف بکری ملا کرتی تھی۔ اور باقی نصف بکری میں عبداللہ بن مسعود اور عثمان بن حنیف شریک تھے۔ عمار بن یاسر کی ماہانہ تنخواہ چھ سو درہم تھی۔ عثمان بن حنیف کی پانچ سو درہم اور عبداللہ بن مسعود کی سو درہم تھی۔ قاضی شریح کی تنخواہ سو درہم ماہانہ اور دس جریب گیہوں تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا بڑا خیال تھا۔ کہ لوگ عیش پرستی اور تنعم کی زندگی میں مبتلا ہو کر سادگی کے جوہر سے معرانہ ہوجائیں۔ افسروں کو خاص طور پہ پارسیوں اور عیسائیوں کے لباس اور طرز معاشرت کے اختیار کرنے پہ چشم نمائی فرمایا کرتے تھے۔ سفر شام میں مسلمان افسروں کے بدن پہ حریر یا دیبا کے جبے اور پر تکلف قبائیں دیکھ کر اس قدر خفا ہوئے کہ ان کو سنگریزے مارے اور فرمایا تم اس وضع میں میرا استقبال کرتے ہو۔

مسلمانوں کو اخلاق ذمیمہ سے باز رکھنے کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق کی بھی خاص طور پہ تعلیم دی۔ مساوات اور عزت نفس کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اور تمام عمال کو ہدایت تھی، کہ مسلمانوں کو مارا نہ کریں۔ اس سے وہ ذلیل ہوجائیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زہد و تقویٰ کی ایک مثال یہ ہے۔ کہ جب ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے آپ کے گھر والوں کو ایک چٹائی بطور تحفہ دی۔ جب عمر رضی اللہ عنہ گھر میں آئے تو آپ نے پوچھا:

یہ چٹائی کہاں سے آئی؟

آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے جواب دیا:

یہ ابوموسیٰ اشعری نے ہمیں بطور تحفہ دی ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس چٹائی کو زمین پر دے مارا اور ابوموسیٰ کو حاضر کرنے کا حکم دیا جب وہ حاضر ہوئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا!
تم نے کس تقریب سے یہ چٹائی میری بیوی کو تحفہ میں دی ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے وہ ان کے سر پہ دے ماری اور فرمایا:
اسے لے جاؤ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔"
خلفائے راشدین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے۔ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے۔ کہ ان کا فرض امت کی خدمت کرنا ہے۔ اور امت کے ہر چھوٹے بڑے کام کے متعلق انہی کو خدا تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کرنی ہوگی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:
" اگر کوئی گم شدہ اونٹ دریائے فرات کے کنارے مر جائے تو مجھے یہ خوف لاحق رہتا ہے۔ کہ قیامت میں خدا تعالیٰ مجھ سے اس کے متعلق پوچھے گا۔"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت کی پیروی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گورنروں اور ججوں کو متعدد ہدایات جاری کیں۔ آپ انہیں تقررنامے جاری کرتے جن کی توثیق ایک کمیٹی کرتی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی یہ ہدایت تھی کہ سرکاری عمال اپنے اپنے صوبوں کے صدر مقام پہنچنے پر شہریوں کے مجمع عام میں اپنے تقرری کا خط پڑھ کر سنائیں۔ تاکہ وہ ان کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جائیں۔ اسکے بعد اگر کوئی اختیارات سے تجاویز کرنے کی کوشش کرتا یا لوگوں پر ظلم و ستم کرتا تو وہ اسے روکتے تھے۔ اور اگر عامل نہ رکتا تو وہ خلیفہ سے اس کی شکایت کرسکتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے عمال کو مخاطب کرتے ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔
ہوشیار رہو! میں نے تمھیں جابر و ظالم بنا کر مقرر نہیں کیا۔ میں نے تمھیں خدا ترس رہنما مقرر کیا ہے۔ تاکہ مسلمانوں کے حقوق محفوظ کرو اور ادا ہوں۔ انھیں ظالمانہ طریقہ سے مارو مت کہیں وہ بزدل نہ بن جائیں۔ بہتات سے ان کی بے جا تعریف نہ کرو کہیں وہ مغالطہ میں نہ پڑ جائیں ان پر اپنے دروازے بند مت کرو۔ کہیں وہ غریبوں کے حقوق غصب نہ کرنے لگیں۔ خود کو ترجیح نہ دو کہیں وہ ان پر ظلم کرنے لگیں۔" یہ سب احتیاطی تدابیر تھیں۔ تاکہ ظلم اور جبر کو روکا جاسکے۔ اور غیر جانبدار انصاف صحیح طور پر اور آزادی سے فراہم ہوسکے۔ تصور یہ تھا کہ عمال ریاست کے عطا کردہ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال نہ کریں۔
گورنروں اور قاضیوں کی روانگی پر آپ رضی اللہ عنہ خود ان کے ساتھ ہدایت کرتے چلتے: اپنے اختیارات سے ہوشیار ہو۔ میں نے تمھیں مسلمانوں کے سروں پر ان کا خون بہانے کے لئے مقرر نہیں کیا ہے۔ اور نہ ان کی عزتوں کی بے حرمتی کرنے کے لئے مقرر کیا ہے۔ میں نے تمھیں صرف اس لیے مقرر کیا ہے۔ کہ نماز قائم کرو۔ ان کے درمیان انعام تقسیم کرو ایمانداری سے ان میں انصاف کرو۔" پھر آپ رضی اللہ عنہ انہیں حکم دیتے ہیں۔

" تم ترکی گھوڑے پر سواری نہیں کرو گے ۔ تم نفیس واعلیٰ پوشاک نہیں پہنو گے نہ باریک پسا ہوا آٹا کھاؤ گے ۔ اور تم اپنے دروازہ پر پہرہ دار مقرر نہیں کرو گے ۔ تم ضرورت مندوں کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھو گے ۔

اپنا عہدہ سنبھالنے کے لیے روانگی کے وقت آپ رضی اللہ عنہ گورنروں اور ججوں کی املاک اور دولت کی فہرست تیار کرتے اور وقتاً فوقتاً دیکھتے کہ انہوں نے ناجائز ذرائع سے اپنی املاک میں اضافہ تو نہیں کیا ۔ ایک مرتبہ خالد بن اسحق نے خلیفہ کو اطلاع دی کہ بعض گورنر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احکامات کی تعمیل نہیں کر رہے ۔ تفتیش شروع ہوئی اور جو مجرم پائے گئے ان کی آدھی املاک ضبط کرلی گئیں اور بیت المال میں جمع کرادی گئیں ۔ اس کے بعد خلیفہ نے دارالخلافہ سے متعدد ہدایات گورنروں اور قاضیوں کو انصاف کرنے کے لیے بھیجیں ۔ آپ نے بہت سی تقاریر عوام کے سامنے کیں ۔ جن میں عوام کو تعلیم دی اور ان کے حقوق بتائے اور اپنے گورنروں اور قاضیوں کو ان کے فرائض یاد دلاتے ہوئے خطوط لکھے ۔ ان میں ایک خط ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا یہ بہت جامع خط تھا ۔ جس میں عدلیہ کے بنیادی اصول طریق کار اور قواعد و قوانین موجود تھے ۔ یہ خط اس عہد کے عدالتی نظام کی اصل تصویر ہے ۔

حضرت علی کے دور مبارکہ میں احتساب !

آپ عمال پر کڑی نظر رکھتے تھے ۔

ایک مرتبہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک کو اس خدمت پر مامور کیا تو یہ ہدایت فرمائی :

"اخرج فی طائفۃ من اصحابک حتی تمر بالارض اسواء کورت فتسایھم عن عمالھم و تنظر فی سیر تھم الخ ۔"

تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لے کر روانہ ہو جاؤ اور عراق کے ہر ضلع میں پھر عمال کی تحقیقات کرو اور ان کی روش پر غائر نظر ڈالو ۔

عمال کے اسراف اور مالیت میں ان کی بے عنوانیوں کی سختی سے باز پرس فرماتے تھے ۔ ایک دفعہ اردشہر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے قرض لے کر پانچ سو لونڈی اور غلام خرید کر آزاد کیے ۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سختی کے ساتھ اس رقم کا مطالبہ کیا ۔ مصقلہ نے کہا خدا کی قسم عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک اتنی رقم کا چھوڑ دینا کوئی بات نہ تھی ۔ لیکن یہ تو ایک ایک حبہ کا تقاضہ کرتے ہیں اور ناداری کے باعث مجبور ہو کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پناہ میں چلے گئے ۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا :

"برحہ اللہ فعل فعل السید و فر فرار العبد و خان خیانۃ الفاجر اما واللہ لو انہ اقام فعجز ماذدنا علی حبس فان وجدنا لہ شیئاً اخذ ناہ وان لم نقدر علی مال ترکناہ"

خدا اس کا برا کرے ، اس نے کام تو سید کا کیا لیکن غلام کی طرح بھاگا اور فاجر کی طرح خیانت کی ۔ خدا کی قسم اگر وہ مقیم رہتا تو قید سے زیادہ اس کو سزا نہ دیتا ۔ اور اگر اس کے پاس کچھ ہوتا تو لیتا ، ورنہ

معاف کر دیتا۔

اس باز پرس سے آپ کے مخصوص اعزہ واقارب بھی مستثنیٰ نہ تھے۔ایک مرتبہ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس عامل بصرہ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لے لی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چشم نمائی فرمائی، تو جواب دیا۔ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا ہے۔ لیکن اس عذر کے باوجود خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب مالک اشتر،(وفات ۳۸ - ۶۵۷) کو مصر کا گورنر بنایا تو جو ہدایات جاری کیں ان میں سے ایک یہ تھی۔

"مظلوم اور نادار افراد کو وقتاً فوقتاً خدا کو حاضر ناظر جان کر ملنا اور ان سے دل کھول کر بات چیت کرنا۔ اس وقت اپنے مسلح حفاظتی دستوں، سول افسروں، پولیس یا خفیہ کارندوں کو اپنے قریب نہ رہنے دینا۔ تا کہ غرباء اور ناداروں کے نمائندے تم سے آزادی و بے باکی سے اپنی شکایات کر سکیں۔

کیونکہ میں نے پیغمبر خدا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن رکھا ہے۔ کہ کوئی قوم یا معاشرہ اعلیٰ مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ جس کے طاقتور لوگ کمزوروں کے فرائض ادا نہیں کرتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور مبارک میں حکام کی نگرانی :-

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگر چہ طبعاً نہایت نرم تھے۔ بات بات پر رقت طاری ہوجاتی تھی۔اور ذاتی حیثیت سے تحمل، بردباری، تساہل اور چشم پوشی آپ کا شیوہ تھا۔ لیکن ملکی معاملات میں انہوں نے تشدد احتساب اور نکتہ چینی کو اپنا طرز عمل بنایا۔ سعد بن ابی وقاص نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لی جس کو ادا نہ کر سکے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سختی سے باز پرس کی اور معزول کر دیا۔ ولید بن عقبہ نے بادہ نوشی کی، تو انھیں معزول کر کے اعلانیہ حد جاری کی۔ابو موسیٰ اشعری نے امیرانہ زندگی اختیار کی تو انہیں بھی ذمہ داری کے عہدے سے سبکدوش کر دیا۔ اسی طرح عمرو بن العاص والی مصر وہاں کے خراج میں اضافہ نہ کر سکے، تو ان کو علیحدہ کر دیا۔نگرانی کا یہ طریقہ تھا کہ دریافت حال کے لیے دربار خلافت سے تحقیقاتی وفود روانہ کیے جاتے، جو تمام ممالک محروسہ میں دورہ کر کے عمال کے طرز عمل اور رعایا کی حالت کا اندازہ کرتے تھے۔یہ تینوں بزرگ صحابہ رضی اللہ عنھما میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ ۳۵ھ میں ملک کی عام حالت دریافت کرنے کے لیے جو وفود روانہ کیے گئے تھے۔ ان میں یہی حضرات تھے۔

ملک کی حالت سے واقفیت پیدا کرنے کے لیے آپ کا معمول تھا کہ جمعہ کے دن منبر پر تشریف لے جاتے تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے لوگوں سے اطراف ملک کی خبریں پوچھتے اور نہایت غور سے سنتے۔ تمام ملک میں اعلان تھا جس کسی کو کسی والی سے شکایت ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرے۔اس موقع پر تمام عمال لازمی طور پر طلب کیے جاتے تھے۔اس لیے شکایتوں کی تحقیقات کر کے تدارک فرماتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حکومت محض دینی حکومت نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوجوں کی قیادت کرتے، مقدمات کے فیصلے کرتے اور زکوۃ وغیرہ کے مال وصول فرماتے تھے۔ اس طرح آپ کو دونوں قسم کی طاقتیں دینی وسیاسی ساتھ ہی ساتھ حاصل تھیں۔ لیکن یہ سیاسی اقتدار محض ثانوی درجہ رکھتا تھا۔ آپ کا مقصد اولین جس کے لیے آپ مبعوث ہوئے تھے۔ دعوت اسلام کی نشرواشاعت تھا۔ اسی لیے کبار مہاجرین وانصار مثلاً ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، علی کرم اللہ وجہہ سے غیر دینی مسائل میں تو آپ مشورہ لیا کرتے تھے۔ اور اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ لوگو! مجھے مشورہ دیا کرو۔ لیکن جہاں تک دینی مسائل کا تعلق ہے۔ آپ ہمیشہ ان میں انفرادی رائے سے کام لیتے رہے۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جن لوگوں سے مشورہ لیا۔ ان میں حمزہ رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، علی کرم اللہ وجہہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ، حذیفہ رضی اللہ عنہ، ابوذر رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ نقباء کہلاتے تھے اس لیے کہ یہ اپنی قوم کے اسلام کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفیل تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نظام داری کا بیج اپنی زندگی میں ہی ڈال دیا۔

%%

بقیہ ص ۲۹

مستقبل میں اسلام پسند قوتوں کے لیے بے شمار مشکلات کا پیش خیمہ ثابت ہوگی بلکہ یہ بات اسلامی اقدار کو حاصل شدہ آئینی تحفظات کے خاتمہ کی بنیاد بھی فراہم کردے گی۔ اس نازک اور حساس معاملے میں اسلامی تشخص اور شرعی اقدار سے انحراف پر مبنی حکومتی فیصلے کو ہرگز قوم پر مسلط نہ ہونے دیا جائے اور اگر حکومت اپنا فیصلہ واپس لینے کے بارے میں پس وپیش سے کام لے تو دینی حلقوں کو اس معاملہ میں کسی بھی قانونی اور عملی اقدام سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔

قارئین کرام

خط وکتابت کرتے وقت خریداری نمبر ضرور تحریر کریں ورنہ ادارہ جواب دینے سے معذور ہوگا (شکریہ)

"امریکہ کو صومالیہ سے ہم نے بھگایا"

(سعودی عرب میں بم دھماکوں کے ملزم اسامہ بن لادن سے پہلا براہ راست انٹرویو)
(بشکریہ روزنامہ پاکستان)

۲۵ فروری ۱۹۹۷ء کو سعودی عرب کے وزیر دفاع سلطان بن عبدالعزیز سعود نے واشنگٹن میں امریکی صدر کلنٹن کے ساتھ ملاقات کی۔ اس ملاقات میں ایک شخص زیر بحث رہا۔ جس کا نام اسامہ بن لادن ہے۔ سعودی وزیر دفاع نے امریکی صدر کو بتایا کہ ریاض اور الخبر کے بم دھماکوں کا مبینہ ملزم اسامہ بن لادن افغانستان میں موجود ہے اور مسلسل دھمکیاں دے رہا ہے۔ کہ اگر سعودی عرب سے امریکی افواج کو نہ نکالا گیا تو مزید بم دھماکے ہونگے۔

اگلے روز 26 فروری کو سعودی وزیر دفاع نے امریکی سیکرٹری برائے دفاع کوھن اور 27 فروری کو سیکرٹری خارجہ البرایٹ سے ملاقات کی۔ ان تما ملاقاتوں میں اسامہ بن لادن کو گرفتار کرنے کے لئے حکمت عملی پر غور کیا گیا۔ سعودی حکومت کی طرف سے امریکی حکام پر واضح کر دیا گیا کہ سعودی عرب میں امریکی فوجیوں، سفارتکاروں اور دیگر امریکی شہریوں کی جان ومال کی حفاظت کے لئے مناسب اقدامات کر لئے جائیں، کیونکہ اسامہ بن لادن بہت خطرناک ملزم ہے۔ چنانچہ ریاض میں واقع امریکی سفارتخانے اور داھران وجدہ میں واقع امریکی قونصلیٹ کے دفاتر نے امریکی فوجیوں اور عام شہریوں کو نقل وحرکت کم کرنے کی ہدایت کردی۔ بعد ازاں امریکی دفتر خارجہ نے افغانستان میں طالبان کی حکومت سے رابطہ کیا اور مطالبہ کیا کہ اسامہ بن لادن کو امریکہ کے حوالے کر دیا جائے۔ طالبان نے اسامہ بن لادن کی افغانستان میں موجودگی کی تردید نہیں کی کیونکہ امریکہ کے پاس مواصلاتی سیاروں اور دیگر ذرائع سے حاصل کی جانے والی تصاویر اور دستاویزات موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کہ اسامہ بن لادن افغانستان میں ہے۔ طالبان نے اسامہ کو امریکہ کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ طالبان کے اس موقف نے پورے مغرب کو حیران کر دیا۔ کیونکہ عام تاثر یہ تھا کہ طالبان کو امریکی حمایت اور امداد حاصل ہے۔ اور امریکہ افغانستان میں طالبان کے ذریعے ایران کا اثر ورسوخ کم کرنا چاہتا ہے۔ طالبان کے اسامہ بن لادن کے متعلق اعلان کے بعد ہم نے اس شخص تک پہنچنے کا فیصلہ کیا۔ جو صرف امریکہ اور سعودی عرب کو نہیں بلکہ مصر اور یمن کو بھی کئی مقدمات میں مطلوب ہے۔ اسامہ بن لادن پر صرف یہ الزام نہیں ہے کہ اس نے ریاض الاخبر میں بم دھماکے کروا کر درجنوں امریکی فوج مروائے۔ اس پر یہ الزام بھی ہے۔ کہ صومالیہ میں سوا سو سے زائد امریکی فوجیوں کی ہلاکت کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔ اس پر

مصر کے صدر حسنی مبارک پر قاتلانہ حملہ کروانے کا الزام بھی ہے۔ اس پر الزام ہے کہ جنوری 1994ء میں اس نے شمالی سوڈان میں تین مراکز قائم کئے۔ جہاں سوڈانی فوج کے کمانڈوز نے سینکڑوں عرب نوجوانوں کو فوجی تربیت دی اور یہ نوجوان مصر، الجزائر، تیونس، یمن اور سعودی عرب بھیج دیئے گئے۔ جب کہ بعض نوجوان لبنان میں "حماس" کے ساتھ مل کر اسرائیل کے خلاف برسر پیکار ہیں۔ امریکی حکام کا کہنا ہے کہ فروری 1993ء میں نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں بم دھماکے کا ملزم رمزی یوسف بھی اسامہ بن لادن کا شاگرد ہے۔ چند ہفتے قبل مصر میں "الجہاد" اور "الجماعت الاسلامیہ" نامی تنظیموں سے تعلق رکھنے والے کچھ ارکان گرفتار ہوئے۔ جنہوں نے تفتیش کے دوران بتایا کہ انہیں افغانستان میں اسامہ بن لادن کی نگرانی میں عسکری تربیت دی گئی۔

اسامہ بن لادن بین الاقوامی اہمیت حاصل کرچکا ہے۔ زیر نظر انٹرویو اسی اہمیت کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ اسامہ بن لادن تک پہنچنے کے لئے اسلام آباد یا پشاور میں کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔ لہذا میں اپنے فوٹو گرافر مظہر علی خان کے ذریعہ جلال آباد کے دورے کا پروگرام بنا کر افغانستان پہنچا اور وہاں پر مولوی یونس خالص کے ایک نمائندے کے ذریعہ اسامہ بن لادن تک پہنچا۔ جلال آباد سے اسامہ بن لادن کے ٹھکانے تک رات کے وقت جو راستہ اختیار کیا گیا اس کے متعلق ہمیں کچھ پتہ نہیں چلا۔ راستہ لمبا بھی تھا، پیچیدہ بھی تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ ہم نے اسامہ بن لادن کے پاس ایک رات کا قیام کیا۔ اگلے روز صبح چار گھنٹے کی نشست کی اور دوپہر کو واپس روانہ ہوگئے۔ واپسی کا راستہ پہلے سے بھی زیادہ لمبا تھا۔ کچھ پتہ نہیں چلا کہ کدھر سے آرہے ہیں۔ اور کدھر جارہے ہیں۔ صرف اتنا پتہ کہ اسامہ بن لادن پہاڑی غاروں میں رہتا ہے۔ جو شہری آبادی سے کئی گھنٹوں کی مسافت پر ہیں۔

اسامہ بن لادن کے ساتھ کئے جانے والے انٹرویو کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔ یہ انٹرویو مترجم کے ذریعہ ہوا۔ کیونکہ اسامہ بن لادن عربی بولتے تھے۔

پاکستان :- جناب لادن صاحب ! آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے ہمیں براہ راست انٹرویو دینے کے لئے رضامندی ظاہر کی۔ آپ تک پہنچنا مشکل تھا لیکن ہمارے لئے ایک اچھا تجربہ ہے۔ ہم آپ کے خاندانی پس منظر کے متعلق جاننا چاہیں گے !

لادن :- میرے والد محمد بن عود بن لادن شاہ فیصل کے دور حکومت میں وزیر کے عہدے پر تھے۔ وہ ایک تعمیراتی کمپنی کے مالک تھے۔ انہوں نے حرم شریف مکہ اور مسجد اقصیٰ کی توسیع کروائی تھی۔ میرے والد کا انتقال شاہ فیصل کی زندگی میں ہوگیا تھا۔ شاہ فیصل دو افراد کی موت پر روئے تھے۔ ایک محمد بن ابراہیم تھے اور دوسرے میرے والد محمد بن عود بن لادن تھے۔ شاہ فیصل نے میرے والد کی موت پر کہا تھا کہ آج میرا دایاں بازو کٹ گیا۔ میرے والد 40سال تک حضرت مہدی کا انتظار کرتے رہے اور انہوں نے حضرت مہدی کے لئے 12ملین ڈالر مختص کر رکھے تھے۔ میں نے بچپن میں والد کے ساتھ کام شروع کر دیا تھا۔ میری تعلیم حجاز میں ہوئی۔ میں نے اقتصادیات کی تعلیم حاصل کی تھی۔ مسجد

نبوی کی توسیع کا کام میں نے کیا تھا۔ تعمیراتی کاموں کے لئے اوائل عمر میں ہی پہاڑوں کو بموں سے اڑانے کی تربیت حاصل کرلی تھی۔

پاکستان :- شاہ فیصل کے قتل میں کس کا ہاتھ تھا؟

لادن :- فیصل شہید کے بھائی مطلب بن عبدالعزیز کو یقین ہے کہ شاہ فہد کو قتل کی سازش کا علم تھا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس قتل میں امریکہ کا ہاتھ تھا۔

پاکستان :- آپ ایک کاروباری آدمی تھے۔ کلاشنکوف کیوں اٹھائی؟

لادن :- ہم 25 بھائی تھے۔ میرے والد کہا کرتے تھے کہ میں نے جہاد کے لئے 25 بیٹے پیدا کئے ہیں۔ جب یہودیوں نے بیت المقدس کی بے حرمتی کی تو جہاد کا جذبہ پیدا ہوا۔ دسمبر 1979ء میں ریڈیو پر سنا کہ روسی فوج افغانستان میں گھس گئی ہے۔ لہذا میں نے روس کے خلاف جہاد کا فیصلہ کیا اور افغانستان آ گیا۔

پاکستان :- افغانستان میں روسی فوج کے ساتھ لڑائی میں امریکہ اور سعودی عرب نے مجاہدین کی مدد کی تھی لیکن آپ امریکہ اور سعودی عرب کے خلاف کیوں ہو گئے؟

لادن :- امریکہ کو ہماری جہاد میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اسے تو یہ خطرہ نظر آرہا تھا کہ روس گرم پانیوں تک پہنچ جائے گا۔ امریکہ نے روس کا اثر روکنے کے لئے مجاہدین کی مدد کی۔ مجاہدین کی مزاحمت پہلے شروع ہوئی جب کہ امریکہ اور سعودی انٹیلی جنس کا سربراہ ترکی الفیصل اپنی حکومت سے رقم لے کر امریکی سی آئی اے کو دیتا تھا اور سی آئی اے اسلحہ خرید کر مجاہدین کو دیتی تھی اور اسلحے کی خریداری میں لمبے چوڑے گپلے بھی کرتی تھی۔ جب گورباچوف نے روسی فوجوں کی افغانستان سے واپسی کا اعلان کیا تو امریکہ اور سعودی عرب نے مجاہدین کی امداد بند کردی۔ امریکہ افغانستان میں اسلامی حکومت نہیں چاہتا تھا لہذا کمیونسٹ نجیب اللہ اور مجاہدین کے گروپوں کی مخلوط حکومت کی بنانے کی کوشش کی گئی۔ 1992ء میں بطروس غالی اس مقصد کے لئے اسلام آباد آیا تھا۔ لیکن میں نے مجاہدین کے گروپوں میں اتفاق رائے کروایا کہ نجیب اللہ کے ساتھ اشتراک قبول نہیں کیا جائے گا۔ ہماری لڑائی کمیونسٹوں سے تھی اور امریکہ ان کمیونسٹوں کے ساتھ تعاون کے لئے دباؤ ڈال رہا تھا۔ امریکہ کا کوئی اصول نہیں ہے۔ وہ اپنے مفاد کے لئے ہر اصول بھول جاتا ہے۔

پاکستان :- نجیب اللہ ختم ہو چکا ہے۔ افغانستان میں مجاہدین آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں؟

لادن :- افغانستان میں مجاہدین آپس میں نہیں لڑ رہے۔

برہان الدین ربانی اور احمد شاہ مسعود تاجکستان چلے گئے اور گلبدین حکمت یار ایران کی پناہ میں ہے۔ رہ گیا دوستم۔ وہ مجاہد نہیں ہے۔ وہ دھریہ جرنیل نجیب اللہ کا ساتھی تھا۔ ربانی، مسعود اور حکمت یار نے اس کے ساتھ اتحاد کیا۔ اب وہ اکیلا ہے۔ طالبان کی لڑائی صرف دوستم سے ہے۔

ربانی، مسعود اور حکمت یار نے جہاد میں حصہ لیا تھا۔ بہت اچھا کردار تھا۔ لیکن انہوں نے افغانستان میں

خانہ جنگی کر کے اچھا نہ کیا۔ ربانی اور مسعود نے نا صرف پرانے دشمن روس سے امداد لینی شروع کر دی بلکہ ہندوستان کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا۔ افسوس کہ حکمت یار بھی اس پاکستان دشمن اتحاد کا حصہ بن گیا۔ لیکن اب افغانستان میں پاکستان دشمن حکومت نہیں رہی۔

پاکستان :- امریکہ کا دفتر خارجہ آپ کو ریاض اور الخبر میں بم دھماکوں کا ذمہ دار قرار دیتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

لادن :- ریاض اور الخبر کے بم دھماکوں میں صرف امریکی مارے گئے تھے۔ کسی ایک بھی سعودی شہری کو گزند نہیں پہنچی۔ جب مجھے دھماکوں کی خبر ملی تو میں خوش ہوا۔ یہ بہت نیک کام تھا۔ یہ تو ایک سعادت تھی۔ لیکن افسوس کہ یہ دھماکے میں نے ذاتی طور پر نہیں کئے۔ لیکن میں سعودی عوام سے کہوں گا کہ امریکیوں کو اپنی سر زمین سے نکالنے کے لئے ہر طریقہ اختیار کریں۔

پاکستان :- آپ پر الزام ہے کہ صومالیہ میں امریکی فوجوں کے خلاف دہشت گردی کے پیچھے آپ تھے؟

لادن :- یہ سچ ہے کہ میرے ساتھی صومالیہ میں فرح عدید کے ساتھ مل کر امریکی فوج کے خلاف لڑے۔ لیکن ہماری لڑائی امریکی دہشت گردی کے خلاف تھی۔ امریکہ نے اقوام متحدہ کی آڑ میں صومالیہ میں اپنے اڈے بنانے کی کوشش کی تاکہ وہاں سے سوڈان اور یمن پر قبضہ کیا جاسکے۔ ہر اسلامی ملک ہمارا گھر ہے۔ امریکہ ہمارے گھر میں گھس کر آیا تھا۔ اس نے فلسطین اور عراق میں مسلمانوں کو قتل کیا اور صومالیہ میں کہا کہ ہم مسلمانوں کو پناہ دیں گے۔ امریکہ منافق ہے۔ ہم نے اس کے خلاف جہاد کیا۔ میرے ساتھیوں نے فرح عدید کے ساتھ ملکر امریکیوں کو مارا۔ ہمیں اپنے جہاد پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ فرح عدید کے پاس صرف 300 سپاہی تھے۔ جبکہ 250 مجاہدین نے بھیجے تھے۔ ہمیں مقامی مسلمانوں کی اخلاقی امداد حاصل تھی۔ ایک دھماکے میں 100 امریکی مارے گئے۔ جھڑپوں میں مزید 18 امریکی مارے گئے۔ ایک دن ہمارے ساتھیوں نے امریکی ہیلی کاپٹر مار گرایا۔ پائلٹ نے پیراشوٹ سے چھلانگ لگائی۔ اسے پکڑ لیا گیا اور ٹانگ میں رسی باندھ کر صومالیہ کی سڑک پر گھسیٹا گیا جس کے بعد 28 ہزار امریکی فوجی صومالیہ سے بھاگ گئے۔ امریکی بزدل اور بھگوڑے ہیں۔ ہم نے دنیا کو بتا دیا کہ امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر نہیں چلنے دیں گے۔

پاکستان :- صومالیہ میں اقوام متحدہ کی طرف سے بھیجی جانے والی امن فوج میں پاکستانی دستے بھی شامل تھے۔ کیا پاکستانی جوان بھی آپ کے ساتھیوں کے ساتھ لڑائی میں مارے گئے؟

لادن :- بالکل نہیں امریکی فوجی اپنی بچت کے لئے پاکستانی نوجوانوں کو آگے آگے رکھتے تھے۔ پاکستانی جوانوں کو ایک ریڈیو اسٹیشن پر قبضے کے لئے بھیجا گیا۔ اس علاقے میں بارودی سرنگیں بچھی ہوئی تھیں۔ پاکستانی جوان ان بارودی سرنگوں کا شکار ہوئے۔ جن اسلامی ممالک نے صومالیہ میں اپنے دستے بھیجے وہاں کی حکومتوں نے امریکی ایجنٹوں کا کردار ادا کیا۔ موجودہ امریکی حکومت پر یہودیوں کا اثر ہے۔ امریکی سیکرٹری دفاع اور سیکرٹری خارجہ یہودی ہیں۔ امریکہ کے ساتھ تعاون یہودیوں کے ساتھ تعاون

کے مترادف ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ صومالیہ میں پاکستانی جوانوں کی ہلاکت کی ذمہ دار پاکستان کی حکومت اور امریکہ ہے۔

پاکستان :- آپ افغانستان سے سوڈان اور پھر واپس افغانستان کیسے پہنچے ؟

لادن :- افغانستان سے روسی فوج نکلنے کے بعد تعمیراتی کام کے لئے سوڈان گیا۔ صومالیہ میں جہاد کے بعد امریکہ نے سوڈان سے مطالبہ کیا کہ مجھے وہاں سے نکالا جائے ۔ سوڈان سے وعدہ کیا گیا کہ اسکی اقتصادی امداد بحال ہو گی ۔ لہذا میں افغانستان واپس آ گیا۔ لیکن سوڈان کی امداد بحال نہیں ہوئی۔

پاکستان :- مغربی ذرائع ابلاغ یہ تاثر دیتے ہیں کہ طالبان کو امریکہ کی حمایت حاصل ہے ۔ لیکن طالبان نے آپ کو امریکہ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا ہے، کیا وجہ ہے ؟

لادن :- میں یہ نہیں مانتا کہ طالبان کو امریکہ کی مدد حاصل ہے ۔ دراصل پاکستان کی سابقہ حکومت نے امریکہ کو دھوکے میں رکھا ۔ بے نظیر بھٹو اور نصیر اللہ بابر نے تاثر دیا کہ وہ طالبان کی مدد کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے طالبان بدنام ہوئے ۔ طالبان کی لڑائی پاکستان کے دشمنوں سے ضروری تھی ۔ لیکن طالبان کو پاکستان یا امریکہ کا ایجنٹ نہیں کیا جاسکتا۔ پاکستان کی طرف سے طالبان کی حمایت کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کو یقین ہے طالبان کبھی ہندوستان کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے۔

پاکستان :- ایران کا الزام ہے کہ طالبان کو امریکی امداد حاصل ہے ۔ اور طالبان امریکی مفادات کی جنگ لڑ رہے ہیں ؟

لادن :- امریکہ مجھے اپنے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتا ہے ۔ اگر طالبان مجھے امریکہ کے حوالے نہیں کرتے تو وہ امریکی ایجنٹ کیسے ہو گئے ؟ دراصل ایران کابل پر عبدالعلی مزاری کے ذریعہ اپنا اثر چاہتا تھا۔ مزاری کے قتل سے ایران کا منصوبہ ناکام ہو گیا۔ لہذا ایران اور طالبان میں غلط فہمی پیدا ہوئی ۔ امریکہ ایران اور افغانستان کا مشترکہ دشمن ہے ۔ ایک دن ایران اور افغانستان کے تعلقات ٹھیک ہو جائیں گے ۔ امریکہ چین کو مسلمانوں سے لڑانا چاہتا ہے ۔ بیجینگ کے بم دھماکے کا الزام سنکیانگ کے مسلمانوں پر لگایا ہے ۔ لیکن میرے خیال میں یہ دھماکہ امریکی سی آئی اے نے کروایا ہے ۔ افغانستان ، ایران پاکستان اور چین اتحاد کرلیں تو امریکہ اور بھارت دونوں غیر موثر ہو جائیں گے ۔ طالبان نے افغانستان میں اللہ کی حکومت قائم کی ہے ۔ امریکہ تو اللہ کی حکومت کے خلاف ہے ۔ میں دنیا بھر کے مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ طالبان کی مدد اور حمایت کریں ۔ ایک خدا اور ایک کتاب پر یقین سے مسلمانوں کے آپس کے اختلافات ختم ہو جائیں گے ۔ مسلمانوں کو سوچنا ہو گا کہ جس کعبے کی طرف منہ کر وہ نماز پڑھتے ہیں وہ کعبہ یہود و نصاریٰ کے نرغے میں ہے ۔ اگر آپ کا بیٹا چھت سے نیچے گر جائے اور اس کے سر میں اور پاؤں میں چوٹ آئے تو پہلے سر کی چوٹ کا علاج کیا جائے گا۔

مسلمانوں کا بڑا مسئلہ پہلے حل کرنا ہو گا۔ جزیرہ عرب سے امریکہ کو نکالنا ہو گا جو تمام بڑے مسائل کی جڑ ہے۔

پاکستان :- خلیج سے امریکہ کو کیسے نکالنا چاہئے؟

لادن :- آپکے گھر میں ڈاکو گھس آئے تو کیا کریں گے؟

پاکستان :- گھر میں اسلحہ ہو تو اس پر فائرنگ کرونگا۔

لادن :- صحیح! خلیج سے امریکہ کو نکالنے کا یہی طریقہ ٹھیک ہے۔

امریکہ تیل کے ذخائر پر قبضے کے لئے عرب ممالک میں اپنی فوجیں بڑھا رہا ہے۔ 1973ء کے بعد سے دنیا میں ہر شے مہنگی ہوئی ہے۔ لیکن پٹرول زیادہ مہنگا نہیں ہوا۔ 1973ء سے اب تک پٹرول کی قیمت میں صرف 8 ڈالر فی بیرل اضافہ ہوا ہے۔ جبکہ دیگر اشیائیں گنا مہنگی ہو گئی۔ لیکن عربوں کا تیل مہنگا نہ ہوا۔ 24 سال میں چند ڈالر سے زیادہ اضافہ اس لئے نہ ہوا کیونکہ امریکہ کی بندوق عربوں کی پیشانی پر ہے ہم روزانہ فی بیرل 115 ڈالر کا نقصان اٹھا رہے ہیں۔ صرف سعودی عرب میں 10 ملین بیرل تیل روزانہ نکلتا ہے۔ روزانہ کا خسارہ ایک ارب ڈالر سے زیادہ ہے۔ مجموعی نقصان دو ارب سے زیادہ ہے۔ پچھلے 3 سال میں امریکہ نے ہمیں گیارہ کھرب ڈالر کا نقصان پہنچایا۔ یہ بھاری رقم امریکہ سے وصول کرنا بہت ضروری ہے۔ دنیا بھر میں مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے زیادہ ہے۔ ہر مسلمان خاندان کو 10 ہزار ڈالر تقسیم ہوں تو گیارہ کھرب ڈالر پورا ہو سکتا ہے۔ مسلمان بھوک سے مر رہے ہیں اور امریکہ ان کا تیل چوری کر رہا ہے۔ وہ ہم سے سستے داموں تیل خرید تا ہے۔ اور پھر ہمیں اسرائیل سے خوفزدہ کر کے اپنے ٹینک اور طیارے خریدنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس طرح اپنی رقم واپس لے جاتا ہے۔

پاکستان :- لیکن تقریباً تمام عرب ممالک میں سوائے لیبیا، سوڈان اور عراق کے امریکہ نواز حکومتیں قائم ہیں۔ امریکی اثر کیسے ختم ہو گا؟

لادن :- روس کمیونسٹ بلاک کا سر تھا۔ روس کے ٹوٹنے سے مشرقی یورپ میں کمیونزم ختم ہو گیا۔ اگر امریکہ کا سر کاٹ دیا جائے تو عرب بادشاہتیں ختم ہو سکتی ہیں۔ امریکہ کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ وہ ہماری مقدس سرزمین میں داخل ہو گیا ہے۔ ایک لاکھ 20 ہزار امریکی فوجی سعودی عرب میں کس کے خلاف لڑائی میں مصروف ہیں؟ مسلمانوں کی غیرت کہاں ہے؟ کیا وہ اپنے کعبہ کی خود حفاظت نہیں کر سکتے؟ ۔ ظہور اسلام سے پہلے مکہ پر ابرہہ نے حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کو بھیجا تھا۔ جنہوں نے کنکریاں گرا کر ابرہہ کے لشکر کو بھگایا۔ آج ایک ارب مسلمان موجود ہیں۔ اب ابابیلیں نہیں آئیں گی، مسلمانوں کو خود اٹھنا ہو گا۔ مسلمان وائٹ ہاؤس کی بجائے کعبے کی فکر کریں۔

پاکستان :- آج کے دور میں آپ کی آئیڈیل شخصیت کون ہے؟

لادن :- شیخ سلمان عودہ، وہ سعودی جیل میں دیگر علماء کے ہمراہ تین سال سے قید ہیں۔ کیونکہ انہوں نے امریکی فوجوں کو سعودی عرب سے نکالنے کا مطالبہ کیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اگلی صدی کے اوائل تک امریکہ سپر پاور نہیں رہے گا۔ اگلی صدی مسلمانوں کی ہے۔

پاکستان :- رفسنجانی، صدام حسین، قذافی اور حافظ الاسد بھی امریکہ کے خلاف ہیں۔ آپ کی ان کے بارے

میں کیا رائے ہیں؟

لادن :- مسلمانوں کو ایسے لیڈر کی ضرورت ہے۔ جو انہیں اکھٹا کر سکے اور خلافت راشدہ قائم کر سکے۔ افغانستان سے خلافت راشدہ کا آغاز ہو گا۔ یہاں بلا سود بینکاری ہو گی۔ اللہ کی حکومت قائم ہو گی۔ ہم کمیونزم کے ساتھ ساتھ سرمایہ داری نظام کے بھی خلاف ہیں۔ دولت کا چند ہاتھوں میں اکھٹا ہونا غیر اسلامی ہے۔

پاکستان :- کیا خلافت راشدہ میں عورتوں کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ہو گی؟

لادن :- میں جانتا ہوں آپ نے یہ سوال مغربی پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر کیا۔ طالبان عورتوں کی تعلیم کے خلاف نہیں ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے بڑی فقیہہ تھیں۔ زیادہ تر احادیث ان سے منسوب ہیں۔ لہذا ہم عورتوں کی تعلیم کے خلاف نہیں ہو سکتے۔ البتہ تعلیم کے نام پر غیر اسلامی ماحول پیدا کرنے کے خلاف ہیں۔

پاکستان :- موجودہ جمہوری سسٹم اور خلافت راشدہ میں کیا فرق ہے؟

لادن :- زمین آسمان کا فرق ہے۔ اسلام میں صلاح و مشورہ بہت ضروری ہے۔ لیکن صرف صالح اور عاقل شخص کو حکمران بنانے کے لئے مشورہ کیا جاتا ہے۔ موجودہ جمہوری نظام میں غیر صالح افراد حکمران بن جاتے ہیں اور پارلیمنٹ غیر اسلامی قانون سازی کرتی ہے۔ فوجی تربیت حاصل کرنا مسلمان کا فرض ہے۔ لیکن جمہوری حکومتیں امریکہ کے خلاف مزاحمت کرنے والے رمزی یوسف کو امریکہ کے حوالے کر دیتی ہیں۔ جمہوریت اور انسانی حقوق کے دعویدار امریکہ کے حکم پر سعودی عرب میں میرے چار بیٹے قید ہیں۔ تین سالہ بچی کو سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ مجھے کہا جاتا ہے کہ فہد اور امریکہ کے خلاف خاموش ہو جاؤں تو مجھے معاف کر دیا جائے گا۔ میں امریکہ سے رحم کی بھیک نہیں مانگتا۔ امریکہ میں ہمت ہے تو آئے اور مجھے گرفتار کرے۔ میری موت اللہ کی مرضی سے ہو گی نہ کہ امریکہ کی مرضی سے۔ میں مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ امریکی مصنوعات کا بائیکاٹ کر دیں۔ امریکی جمہوریت کو بھی الوداع کہہ دیں۔ اس جمہوریت نے مسلمانوں کو کیا دیا ہے؟

پاکستان :- اپنی زندگی کا کوئی ناقابل فراموش واقعہ سنائیں؟

لادن :- جہاد افغانستان کے دوران جاجی کے علاقے میں روسیوں نے شدید حملہ کر دیا۔ سامنے سے ٹینک آ گئے اور اوپر سے ائر فورس بمباری کر رہی تھی۔ کئی دن تک ایک مورچے میں محصور رہا۔ دشمن کے قدموں کی چاپ بھی سنائی دیتی تھی۔ اس ماحول میں مجھے نیند آ گئی۔ میں مورچے میں سو گیا۔ جب آنکھ کھلی تو دشمن غائب تھا۔ آج تک سمجھ نہیں آئی کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ شائد میں دشمن کی نظروں سے اوجھل رہا۔ ایک دفعہ طورخم کی سرحد کے قریب شہدا کے قبرستان کے پاس ایک سکڈ میزائل میرے بہت قریب آ کر پھٹا لیکن میں محفوظ رہا۔ اس قسم کے واقعات سے موت کا خوف دور ہو جاتا ہے۔ لیکن امریکی موت سے ڈرتے ہیں۔ امریکی چوہے ہیں۔ روس ٹوٹ سکتا ہے تو امریکہ کا سر بھی کٹ سکتا ہے۔

پاکستان :- آپ کا بہت شکریہ!
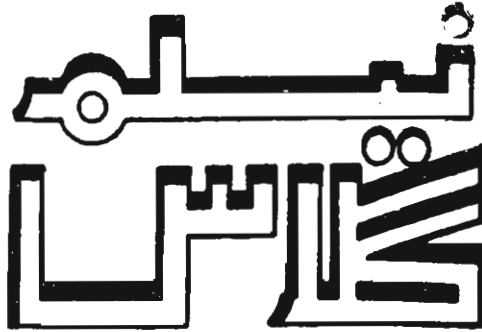
##

سفر نامہ

حافظ راشد الحق حقانی

ذوق پرواز

قسط نمبر 2

بازیچہ اطفال ہے دنیا میرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشہ میرے آگے

دی ہگ جیسے ڈین ہگ بھی کہتے ہیں۔ ہالینڈ کا سابقہ دارالخلافہ ہے۔ ہالینڈ میں میرا مستقل مستقر اور قرار گاہ یہی شہر رہا۔ یہ خاموش صاف ستھرا، اور خوبصورت ترین شہر ہے۔ عالمی عدالت کا صدر دفتر بھی اسی شہر میں واقع ہے۔ اس شہر کو یورپ کا سب سے بڑا گاؤں بھی کہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ اس شہر میں روایتی شہروں کی طرح شور شرابا چہل پہل اور بہت زیادہ رش نہیں ہے۔ یورپ کے باقی شہروں کی نسبت سب سے مختلف اور جدا ہے۔ اس شہر میں پارلیمنٹ ہاؤس کی پرانی بلڈنگ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ کوئین کا محل بھی خوبصورت ہے۔ لیکن یہاں کی سب سے بڑی شاہکار اور خوبصورت ترین بلڈنگ یہاں کی میونسپل کمیٹی کا ہال ہے۔ یہ ایک ایسی بلڈنگ ہے جہاں پر درو دیوار سے لیکر چھت تک شیشہ ہی شیشہ ہے۔ اور فن شیشہ گری کا ایک ایسا نمونہ ہے، جس کی نظیر دنیا بھر کے بڑے بڑے خوبصورت ترین شہروں میں نہیں ملتی۔ اور اس میں لفٹوں کا ایک ایسا نظام ہے کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

دی ہگ میں ہمارے میزبان محترم جناب اشفاق خان لائق صاحب تھے۔ ان کے اخلاص اور محبت نے نہایت ہی متاثر کیا۔ اور پردیس میں اجنبی ہونے کا گمان تک نہ ہوا۔ یہ گھرانہ تقریباً اٹھارہ بیس سال سے یہیں مقیم ہے۔ جناب اشفاق صاحب پندرہ سولہ افراد پر مشتمل گھرانے کے سربراہ ہیں۔ یہاں پر ایک خاص بات اور ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ انہوں نے ماشاءاللہ اپنے چھوٹوں کی ایسی پرورش اور تربیت کی ہے کہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ لوگ یورپ میں پلے بڑھے ہیں۔ خصوصاً ان نوجوانوں کی اعلیٰ اخلاق اور ادب نے مجھے بہت متاثر کیا۔ میں نے یورپ کے مختلف ممالک میں رہنے والے پاکستانیوں کے حالات اور واقعات اور گھریلو طرز زندگی کو نہایت قریب اور غور سے دیکھا تو میں نے محسوس کیا کہ ان میں اکثریت کی اولاد وہاں کے ماحول اور یورپ کی تہذیب و تمدن سے نہایت ہی متاثر ہوئی ہے۔ اور نتیجتاً

والدین انتہائی سخت پریشانی اور تکلیف میں ہیں۔ نہ تو ان کو یہ لوگ وہاں کے خراب ماحول سے بچا سکتے ہیں نہ ہی اپنے بچوں کو ڈانٹ سکتے ہیں۔ اور نہ ہی مار سکتے ہیں۔ کیونکہ یورپین ممالک کے قوانین اور قانونی ادارے والدین کو یہ حقوق نہیں دیتے کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ زبردستی کریں۔ تو اسی بنا پر مسلمانوں کی اولاد ہر لحاظ سے تباہی کے راستے پر چل پڑی ہے۔ ان لوگوں کا المیہ بھی بڑا ہی عجیب ہے۔ کیونکہ یورپ والے ان کو اپنا نہیں سمجھتے، بلکہ نسلی تعصب کی بنا پر نہایت ہی برا سلوک کرتے ہیں۔ اور پھر پاکستانی اور مشرقی معاشرہ بھی ان کو قبول نہیں کرتا۔ نتیجہ یہ کہ

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم　　　نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

یہ ایک ایسا دل خراش اور سنجیدہ موضوع ہے۔ کہ اس پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔
ایسے ماحول اور ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کسی کسی کو توفیق دیتا ہے۔ اگر انسان قصد وارادہ کرے ناساز گار ماحول بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور دنیا کی تمام طاقتیں بھی انسان کی طبعیت و ماہیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔

بگ میں دو دن میری آمد کو ہوئے تھے۔ صبح جمعہ کا دن تھا۔ ہم لوگ نماز پڑھنے کے لئے مسجد دارالسلام گئے۔ جو شہر کے وسط میں ہے۔ امام صاحب نے بہت اچھا خطبہ دیا۔ مسجد میں نمازی بہت زیادہ تھے۔ اور بالخصوص نوجوانوں کی اکثریت نظر آئی۔ ان لوگوں میں ہر نسل اور ہر ملک کے لوگ تھے۔ عرب بھی تھے۔ عجم بھی تھے۔ افریقن بھی تھے۔ ایشین بھی تھے۔ الغرض ہر طرح کے لوگ یہاں موجود تھے۔ ان میں اگر کوئی قدر مشترک بات تھی تو وہ صرف اسلام کا مقدس رشتہ اور اسلامی بھائی چارہ تھا۔ جس نے سب کو ایک جگہ پر ایک خدا کی عبادت کرنے کے لئے ایک ایسے ملک میں جمع کیا تھا۔ جو ہر لحاظ سے مادر پدر آزاد بے لگام اور مذہب سے بیگانہ ملک ہے۔ امام صاحب نے ان کو نہایت مناسب انداز میں احکام و مسائل کے بارے میں خطبہ دیا۔ یقین جانیئے کہ مسجد میں نماز پڑھتے وقت جو لطف اور سرور محسوس ہوا۔ بیان سے باہر ہے۔ اور دل خوش ہوا۔ کہ الحمدللہ اسلام ہر جگہ اپنی حقانیت اور وسعت کی بنا پر قائم و دائم ہے۔ یہاں یہ بات بھی انتہائی حوصلہ افزا اور اطمینان بخش ہے کہ یورپ میں اسلام دیگر مذاہب و ادیان کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اور شجر اسلام روز بروز بار آور ہوتا رہا ہے۔ خصوصاً پیرس اور لندن میں تو میں نے بہت زیادہ مشاہدہ کیا ہے اور محسوس کیا ہے۔ ہالینڈ میں مختلف اسلامی سنٹرز کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ ان میں عرب اور ترکوں کے ساتھ ساتھ جناب پروفیسر طاہر القادری نے بھی بہت کام کیا ہے۔ اور جدید انداز میں وسائل کی فراہمی کے ساتھ مختلف سنٹرز چلا رہے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے پیرس اور لندن میں　　　سنٹرز کھولے ہیں۔ اور یورپ میں　　کام کر رہے ہیں۔ یہ اسلام کے لئے اچھی بات ہے۔ لیکن ساتھ ہی افسوس بھی ہوا کہ پروفیسر صاحب یہاں پر بھی مخصوص قسم کے ذہن اور مسلک کی ترویج میں مصروف ہیں۔
حالانکہ وہاں پر ان ثانوی اور فروعی اختلافات کا ذکر نہیں کرنا چاہتے تھا۔ اس کی ساتھ ساتھ الحمدللہ تبلیغی

جماعت والوں نے کافی کام کیا ہے۔ اور کر رہے ہیں۔ اور اس کے اثرات انشاءاللہ جلد ظاہر ہونگے۔ لیکن پھر بھی بہت زیادہ کام کی ضرورت ہے۔ اس کاز اور مشن کے لئے بہت سارے علماء، فضلاء، جدید علوم اور مقامی زبانوں اور وہاں کے مسائل سے آگاہ ماہر افراد کو بھیجنا چاہیئے اگر عالم اسلام نے یورپ پر تھوڑی بھی توجہ دی اور باقاعدہ کام کیا۔ جیسا کہ عیسائیوں کی مختلف مشنریز اور تنظیمیں اور مستشرقین کی سرگرمیاں مسلمان ممالک میں جاری رہتی ہے۔ اور حکومتیں اور مخیر افراد ان مشنریز اور تنظیموں کو بہت زیادہ فنڈز دیتی ہیں۔ یورپ میں اسلام اور تبلیغی کام کے لئے اگر مسلمان ممالک کی حکومتیں ذرہ بھی توجہ دیں تو انشاءاللہ یورپ میں اسلام کا بول بالا ہوگا۔ کیونکہ وہاں کی اکثریت مادیت اور عیش کے ہاتھوں پریشان ہے۔ اور سکون اور حق کے حصول کے خاطر ادھر ادھر یہ لوگ بھٹک رہے ہیں۔ اگر اس عالمگیر مذہب (اسلام) اور دین فطرت کی تعلیم صحیح انداز میں پیش کی گئی۔ تو ایک عظیم تعداد راہ راست پر آسکتی ہے۔ یہ بھی ایک سنجیدہ موضوع ہے۔ اور اس پر اور بہت کچھ لکھنا چاہتے۔ مگر یہ مقام اسکی اجازت نہیں دیتا۔ (آمدم بر سر مطلب)

جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد شہر کے سیر کرنے کے لئے ہم لوگ شہر کے مختلف حصوں میں گئے۔ راستے میں ہی ایک دوسری مسجد سے گزر ہوا۔ تو ہمارے میزبانوں نے مجھ پر یہ خوشگوار انکشاف کیا۔ کہ مسجد کے مولانا صاحب دارالعلوم حقانیہ کے فارغ التحصیل ہیں۔ اور بلوچستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کافی عرصے سے مسجد میں خطیب اور بچوں کو پڑھا رہے ہیں۔ یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ الحمد للہ دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں حضرت دادا جان نے جو مشعل حق جلائی تھی۔ آج اس کی ضیا پاشیوں سے کرہ عالم کا چپہ چپہ روشن و منور اور مستفید ہو رہا ہے۔ آج دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء دنیا بھر میں اسلام کی خدمت کرنے کے لئے ہر سو پھیلے ہوئے ہیں۔ چاہے پاکستان میں دینی و اسلامی مدارس کا قیام ہو یا مذہبی سیاست کا میدان، علمی اور ادبی جولانگاہ ہوں یا افغانستان کی پہلی اسلامی مملکت کے حکمرانی اور قیادت و سیادت ہو عسکری محاذ ہوں۔

خیر ایک دو روز شہر کی تفریح وغیرہ میں گزر گئے۔ تو میں نے اپنے میزبانوں کو اپنا پروگرام بتایا۔ کہ میں صرف مزید دس دن تک آپ کے ہاں ٹھہرونگا اور بعد میں دیگر ممالک کیلئے روانہ ہونگا۔ تو پہلے ان کو یقین نہیں آرہا تھا کہ صرف اتنے تھوڑے دنوں کیلئے ------؟ یہاں پر تو لوگ آکر مہینوں ٹھہرتے ہیں۔ لیکن میرے اصرار اور مجبوری نے ان کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ اور سیر و تفریح کا ہنگامی اور ایمرجنسی بنیادوں پر نقشہ ترتیب دیا گیا۔ چنانچہ میزبانوں نے چند دنوں میں ہی ہالینڈ اور اس کے باہر گرد و نواح کے تاریخی مقامات اور بڑے بڑے شہروں کی سیر کرائی۔ دی ہیگ میں ایک بہت ہی خوبصورت حیرت انگیز اور قابل دید تفریح گاہ مادھورادیم پارک ہے۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے جو بیان اور الفاظ کی بجائے خود مشاہدہ اور دیکھنے کی چیز ہے لیس الخبر کالمعاینہ کے مطابق اس کے لئے عین الیقین لازمی ہے۔

میرے میزبانوں نے اس جگہ کی بہت تعریف کی تو پروگرام کے مطابق صبح کو جانا قرار پایا۔ محترم

طاہر صاحب، منظور صاحب اور سہیل صاحب کی رفاقت میں ہم لوگ ٹرام (Traam) کے ذریعے وہاں پہنچے یہ ایک ریل نما گاڑی ہوتی ہے۔ جو پانچ چھ ڈبوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ہالینڈ کے تمام بڑے شہروں میں یہ چلتی ہے۔ انتہائی صاف خوبصورت آرام دہ ڈبے ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں کی روایتی گاڑیوں کا شور وغل اس میں نہیں ہوتا۔ اس کے ذریعے پلک جھپکتے ہی آپ شہر کے کسی بھی حصہ میں پہنچ سکتے ہیں۔ ہر ایک کلو میٹر کے بعد اس کا ایک سٹاپ ہوتا ہے۔ ہر پانچ دس منٹ بعد دوسری کوئی نہ کوئی گاڑی آپ کو مل سکتی ہے۔ ٹکٹ آپ کو گاڑی میں ہی مل سکتا ہے۔ خود کار مشین کے ذریعے سے۔ آپ کو باہر سٹیشن یا ڈاکخانہ سے ہفتے یا پھر مہینے تک کا ٹکٹ رعایتی پیسوں پر مل سکتا ہے۔ میں نے اسکندریہ میں بھی ٹرام گاڑی میں سفر کیا ہے۔ لیکن ہالینڈ اور پھر خصوصاً ہیگ کی ٹرام سب سے بہتر اور تیز رفتار ہے۔
مادھورا ڈیم جو آرکیٹیکٹنگ اور فن تعمیر کا شاہکار نمونہ ہے۔ ایسی جگہ میں نے دنیا کے بارہ تیرہ ممالک میں نہیں دیکھی۔ آپ جیسے ہی اس پارک کے صدر دروازے سے اندر داخل ہونگے اور آپ کی نظر پارک میں واقع عمارتوں پر پڑے تو انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ کہ میں کہاں آگیا ہوں۔ چھوٹے سے خطہ میں آپ کو ہر جانب عمارتیں، بلڈنگیں، بندرگاہیں، سمندری جہاز، ائیر پورٹ، ہوائی جہاز، ریل گاڑیاں، کارخانے تاریخی چرچ، پودوں کی نرسریاں الغرض اس (کارخانہ حیرت) میں آپ کو ہر جنس ہر نوع کی چیزیں نظر آئیں گی۔ لیکن یہ سب کچھ اور بڑی بڑی عالی شان عمارتیں فقط آپ کے گھٹنے کے برابر ہونگی یا زیادہ سے زیادہ قد آدم کے برابر ہونگی۔ قارئین کرام! آپ سمجھ رہے ہونگے کہ یہ عمارتوں کے مروجہ ماڈل ہونگے۔ جی نہیں۔ بلکہ واقعتاً یہ عمارتیں ہی ہیں۔ لیکن ایسے عجیب طریقے سے بنائی گئیں ہیں کہ دور سے ماڈل نظر آتی ہیں۔ لیکن قریب جائیں تو اصلی عمارت ماڈل کے۔ جائیے آپ کے سامنے ہوگی۔ بڑے بڑے مینار، بڑے بڑے پل انتہائی چھوٹے بنائے گئے ہیں۔ اگر ان عمارتوں کے ساتھ تصویر نکالی جائے تو دیکھنے والے بالکل یقین نہیں کریں گے۔ کہ عمارت اتنی چھوٹی اور آپ کا قد اس سے کئی گنا زیادہ بڑا کیسے ہوسکتا ہے؟ میں بھی حیرانی کے عالم میں سارے پارک میں گھومتا رہا۔ سیاحوں کے لشکر اس عجوبے کو دیکھنے کے لئے امڈ آئے تھے۔ جب سارا پارک دیکھ لیا تو محترم طاہر مجھے پارک کے تہہ خانے میں لے گئے جو خود ایک تاریخی چیز ہے۔ یہاں پر آپ کو دیو قامت انسانی بت نظر آئیں گے۔ کہیں بڑے بڑے دیوتا ہونگے، کہیں جانوروں کے مجسمے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ان کی تعمیر میں صرف سمندر کی ساحلی ریت استعمال ہوئی ہے۔ کوئی پتھر کوئی مصالحہ اس کی تعمیر میں استعمال نہیں ہوا۔ انہوں نے اوپر تو انجینرنگ اور آرکیٹکٹنگ اور جدید ٹیکنالوجی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور دوسری طرف ریت سے بنائی ہوئیں بڑی بڑی چیزیں تعمیر کی ہیں۔
اس صنم خانہ کا "طواف" کرلیا تو حیرت میں غالب کا یہ شعر زبان پر آگیا۔

ع دیکھئے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

مادھوراڈیم کی دونوں جگہیں قابل دید ہیں۔ پارک کی تفریح کے بعد ہم لوگوں کو بھوک ستا رہی تھی۔ پارک کے ریسٹورنٹ میں دوپہر کا کھانا کھایا۔ جہاں دنیا جہان کی چیزیں سجی ہوئی تھیں۔ لیکن ہم لوگ صرف آلو کی چپس وغیرہ اور سلاد کے کھانے پر اکتفاء کر سکتے تھے کیونکہ دیگر چیزوں میں پیگ (سور) کے استعمال کا خطرہ تھا۔

یورپ میں یہ احتیاط کرنا لازمی ہے۔ ورنہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں انجانے میں آپ اس (نجس العین) کا (لقمہ تر) کھا نہ لیں۔ گھر سے باہر سارے یورپ میں تقریباً (رمضانی کیفیت) سے دوچار رہا۔۔۔ عصر تک گھر واپسی ہوئی۔ چند گھڑی آرام کیا۔ ظہر کی نماز پڑھی۔ شام کے وقت طبعیت تھوڑی سی مرجھائی ہوئی تھی اور کچھ بے چینی سی محسوس ہو رہی تھی۔

یوں سر شام بجھا سا رہتا ہے   دل ہے گویا چراغ مفلس کا

ہمارے میزبان محترم جناب اشفاق صاحب نے مجھ سے کہا کہ چلئے باہر چلتے ہیں۔ میں نے کہا کہ طبعیت ٹھیک نہیں۔ لیکن آپ اپنے ساتھ گاڑی میں لے گئے۔ اب جو تھوڑا فاصلہ طے کیا تو یخ بستہ ہوا کے جھونکوں نے استقبال کرنا شروع کیا۔ جب تھوڑے قریب پہنچے تو سامنے سمندر اپنی بانہوں میں لاکھوں موجوں کے ساتھ کھیلتا جھومتا ہوا نظر آیا۔ قریب ہی سینکڑوں ریسٹورنٹ بڑے بڑے فائیو سٹار ہوٹل بنے ہوئے تھے۔ ہم ساحل کے بالکل قریب بنے ہوئے ریسٹورنٹ میں بیٹھ گئے۔ ہر میز پر شمعیں روشن تھیں گویا یہ شام ہونے کا اعلان تھا۔ دراصل ان موم بتیوں کے روشن کرنے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں پر اندھیرا رات گئے تک نہیں ہوتا۔ عشاء کے وقت سایہ سا چھانے لگتا ہے۔

((ہالینڈ وغیرہ میں تو تھوڑا بہت اندھیرا چھا جاتا ہے۔ لیکن اسکنڈینیوین ممالک میں تو چار چار مہینے رات نہیں ہوتی))۔ یہ لوگ اس کو اندھیرے اور شام کا وقت کہتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت بھی کافی روشنی تھی، کہ عصر کا گمان ہوتا تھا۔ اور ہم جیسوں کے لئے ان کی اس پھیکی اور بے مزہ و بے رنگ و بے کیف شام میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جن لوگوں کو "مشرقی شاموں کا خمار چڑھا ہو" جو طلوع وغروب آفتاب۔ شفق۔ اور دھنک کے رنگوں کے عادی ہوں۔ وہ مغرب کی اس "غیر فطری" اور "مصنوعی قسم" کی شاموں پر کیسے قناعت کر سکتے ہیں۔ اصل لذت و لطف اور ذائقہ آپ کو یورپ میں نہیں ملے گا۔ چاہے پھل فروٹ ہوں یا سبزیاں ہوں یا دیگر کھانے پینے کی اشیاء ان میں وہ لذت، مٹھاس اور چاشنی نہیں ہوتی جو مشرق کی سرزمین کی خاصیت ہیں۔ مشرقی سرزمین زمین سے نکلنے والی ہر چیز قدرتی وطبعی ہوتی ہے۔ لوگ بھی (باکمال ہوتے ہیں۔) مشرق کی کشش نے ہی اہل مغرب کو اس کے خزانوں سے فائدہ اٹھانے کیلئے اس طرف آنے پر مجبور کیا تھا۔ مشرق اور مغرب کے حوالہ سے گفتگو آگے چلتی رہے گی۔

سمندر کے کنارے طوفانی ہوائیں چل رہی تھیں۔ سردی کی وجہ سے لوگوں کی تعداد کم تھی۔ ہم کافی دیر تک ادھر ادھر گھومتے رہے۔ طبعیت میں کافی فرق محسوس ہو رہا تھا۔ دریا، سمندر، پانی، سبزہ میری کمزوری ہیں۔ کسی نے ان کا نام لیا اور میں فوراً سندباد کی طرح آمادہ سفر ہو گیا۔

سبزہ و گل موج دریا انجم و خورشید و مہ   اک تعلق سب سے ہے لیکن رقیبانہ مجھے

ساحل سمندر (بیچ) بھی ان کا سلیقہ سے بنا ہوا تھا۔ نظارہ کرنے کیلئے ہر جانب خوبصورت بینچ بنے ہوئے تھے۔ راہ گیروں کیلئے فٹ پاتھ بھی تھے۔ ہمارے محترم میزبان نے بتایا کہ یہاں پر بڑے بڑے قمار خانے (Casino) بھی ہیں۔ اور ان میں دولت لٹانے کیلئے دنیا جہاں سے لوگ آتے ہیں۔ ان میں سرفہرست اور پیش پیش عرب حضرات ہوتے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں روپے یہ بدبخت راتوں میں لٹادیتے ہیں۔۔یہاں کے ہوٹلوں، کلبوں اور جواخانوں کی تمام ترکمائی اور رونق عربوں کے دم خم سے ہے اگر یہ لوگ عیاشی کے لئے ادھر کارخ نہ کریں تو ان کے سب قمار خانے وغیرہ بند ہو جائیں

عربوں کی خرمستیاں میں نے پیرس، لنڈن اور اسکندریہ اور دی ہگ میں اور دیگر بہت سے شہروں میں دیکھیں اور سنیں۔ کاش یہ لوگ اپنی دولت عالم اسلام کی ترقی و تعمیر اور رفاع عامہ اور یورپ میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ پر صرف کرتے تو بہتر تھا۔ (اگر چہ تھوڑا بہت کام سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک کررہے ہیں لیکن وہ کم ہے)۔ انہوں نے یورپ خصوصاً لنڈن اور پیرس میں ایسے ایسے محلات تعمیر کیئے ہیں اور ایسی شاہانہ زندگی بسر کررہے ہیں۔ کہ تاریخ انسانی میں ایسے کروفر اور پر تعیش طرز زندگی کا نظارہ چشم فلک نے کم ہی دیکھا ہو گا۔

اس بیچ پر سب سے بڑے قمار خانوں، ہوٹلوں کی چاندنی ان نام کے مسلمانوں کی وجہ سے تھی۔ میں دیر تک سر جھکائے شرمندگی اور ندامت کے سمندر میں غرق رہا۔ فرزندان اسلام اور عربوں کی غیرت وحمیت تماشائے عبرت بنی ہوئی تھی۔ ایک وقت تھا کہ جب ان کے آباؤاجداد کے شاندار کارناموں اور صاف وپاکیزہ کردار کی وجہ سے یہ دنیا کے لئے رشد وہدایت کے آفتاب بنے ہوئے تھے۔ اور اب وقت آپہنچا ہے۔ کہ ایسی جگہوں اور ایسی کاموں کے ساتھ ان کا نام لازمی طور پر آتا ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

انہی کے بزرگوں نے یورپ، بلقان، سپین، سسلی وغیرہ میں اپنے اعمال و کردار کی وجہ سے اہل یورپ کو انسانیت کا درس دیا تھا۔ اور سینکڑوں ہزاروں برس سے جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا یورپ ان قدسی صفات بزرگوں کی تعلیم، دعوت اور تہذیب و تمدن کی بدولت انسانیت کی راہ پر گامزن ہوا

اسلام اور عربوں کی آمد سے قبل یورپ کی کیا حالت تھی؟۔ رابرٹ بری فالٹ لکھتے ہیں۔

"پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی، اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جارہی تھی۔ اس دور کی وحشت وبربریت زمانہ قدیم کی وحشت وبربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی، کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کے لاش کی تھی، جو سڑ گئی ہو۔ اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے، اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی۔ وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ وبار لایا اور گذشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہونچ گیا تھا، جیسے اٹلی، فرانس، وہاں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔" (تاریخ دعوت وعزیمت ۱۰۸، حصہ ۴)

آج یورپ کی تمام سائنسی و تعلیمی کامیابیوں کے پیچھے مسلمان حکماء و علماء اور سائنسدانوں کا کردار شامل ہے۔ مثلاً ابن عربی، ابن رشد، ابو ریحان، ابن سینا، ابن خلدون، ابو حیان اور علامہ عبدالبر وغیرھم کو یہ لوگ نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ابن عربی کی فلسفہ الٰہیات پر یورپ میں کام ہو رہا ہے۔ ابن عربی نے مغرب کو کتنا متاثر کیا ہے۔ اس بارے میں جرمن کے مشہور مستشرق بروکلمان نے شیخ اکبر ابن عربی کو دنیا کا سب سے بڑا زرخیز ذہن اور دماغ قرار دیا۔ وہ ابن عربی کو سب سے بڑا وسیع الخیال اور وسیع المشرب عالم قرار دیتا ہے۔ اسی طرح یورپ کے بہت بڑے عظیم شاعر اور ادیب و مفکر دانتے بھی انہی سے متاثر ہیں۔ اور اسکی زندہ جاوید مثال شہرہ آفاق کتاب ڈی وائن کامیڈی ہے۔ یورپ کو علم و ہنر اور تہذیب و تمدن عطاء کرنے میں عربوں کی حکومت جو سپین میں (711ء تا 1496ء) تک قائم رہی۔ اس نے کافی اثر کیا۔ اور آج سپین، روم، فرانس، برطانیہ اور جرمنی کی بڑی بڑی علم و ادب کی دانش گاہوں میں انہی کے افکار و نظریات اور ابتدائی خدوخال پر کام ہو رہا ہے۔

ہالینڈ میں مسلمان:-

ہالینڈ کے مسلمان اچھی خاصی تعداد میں ہیں۔ جن کی بڑی تعداد مراکش اور ترکوں کی ہے۔ تیسرے نمبر پر پاکستانی و ہندوستانی ہیں۔ یہاں مساجد بھی کافی تعداد میں موجود ہیں۔ جو اکثر لوگوں نے بڑے بڑے ہال اور مکانات کرائے پر لیکر ان کو مساجد کی شکل میں تبدیل کیا ہے۔ خصوصاً عربوں اور ترکوں نے اچھی مساجد بنائی ہیں۔ ہم نے ایک نماز جمعہ عربوں کی مسجد میں بھی پڑھی۔ یہاں پر مسلمان مرد اور عورتیں آپ کو ہر جگہ ہر روڈ اور ہر بس سٹاپ پر مل سکتے ہیں۔ خصوصاً ترک اور مراکش عورتوں کے سروں پر اسکارف اور دوپٹا نظر آتا ہے۔ بعض عورتیں مکمل پردے میں بھی نظر آتی ہیں۔ الحمدللہ---- اس دیس میں پردہ اور اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہونا یقیناً پل صراط پر چلنے سے زیادہ مشکل اور کھٹن ہے۔ جہاں پر لوگ ضروری لباس پہننے کی بھی حاجت محسوس نہیں کرتے وہاں پر باپردہ ہونا یقیناً بہت بڑی بات ہے۔ اگرچہ مسلمان بچیوں کو وہاں کے اسکولوں میں اسلامی لباس پردہ اور اسکارف کی وجہ سے کافی دشواریاں اٹھانی پڑتی ہیں۔ خصوصاً پیرس میں تو انتہائی تعصب اور سختی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ خیر یہ تو کرسچیئن ہیں ان کی تہذیب علیحدہ ہے۔ لیکن ستم ظریفی کی ایک انوکھی مثال ملاحظہ ہو۔ کہ مملکت اسلامیہ پاکستان کی سابق وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو سرکاری دورے پر پیرس گئیں تو وہاں کی مسلمان عورتوں اور بچیوں نے اس مسئلہ پر تائید طلب کی اور مطالبہ کیا کہ فرنس کی حکومت سے ان کی سفارش کریں۔ لیکن یورپین تہذیب کی دلدادہ اور ان سے مرعوب محترمہ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ یہاں کے قوانین کے مطابق لباس پہنا کرو۔ کوئی ضرورت نہیں خواہ مخواہ اختلاف و علیحدہ تشخص پیدا کرنے کی۔ اور اسی (بے حیائی) میں آپ کی بھلائی ہے۔

کیا کیا خضر نے سکندر سے   اب کسے راہ نما کرے کوئی

ہالینڈ کے مختلف شہروں اور تاریخی مقامات کی سیر جب مکمل ہوئی تو ایک دن ہم نے بلجیم کیلئے نکالا۔ اپنے میزبانوں کے ہمراہ ان کی گاڑی کے ذریعے ہیگ سے صبح ۹ بجے بلجیم کے لئے روانہ ہوئے۔ دی ہیگ سے تقریباً ساڑھے تین گھنٹوں کا راستہ تھا۔ سارے راستے میں چھوٹے بڑے شہر، قصبے اور دیہات آتے رہے۔ جگہ جگہ پر بہت بڑے بڑے پل بھی آئے۔ دریاؤں، نہروں کا ایک جال ہے۔ جو ہر سمت پھیلا ہوا ہے۔ ہر جانب آپ کو پن چکیاں نظر آئیں گی۔ جو بڑا دلکش نظارہ پیش کرتی ہیں۔
جگہ جگہ رکتے ہوئے ہم بلجیم کے حدود میں داخل ہوئے۔ ہماری گاڑی وہاں کے رن وے نما روڈ پر جہاز کی مانند اڑ رہی تھی۔ بلجیم کے چیک پوسٹ پر کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ کیونکہ یورپین ممالک میں معاہدہ ہوا ہے کہ اگر ایک ملک کا ویزہ لگ جائے تو باقی ملکوں میں آسانی سے جایا جاسکتا ہے۔
بلجیم کا علاقہ بھی ہالینڈ کی طرح سرسبز وشاداب ہے۔ اگر بلجیم کا بورڈ بارڈر پر نہ لگا ہوتا تو بلجیم کو میں ہالینڈ ہی سمجھتا۔ یہاں ایک خاص نکتہ یہ ہے۔ کہ اگر آپ نے یورپ کا کوئی بھی ملک دیکھ لیا ہو تو آپ اسی ملک پر باقی یورپ کو قیاس کرسکتے ہیں۔ وہی سبزہ وہی صاف ستھری آب وہوا۔ ایک جیسی عمارتیں ایک جیسے لوگ ملتی جلتی تہذیب ان میں صرف زبانوں کے فرق سے تمیز کیا جاسکتا ہے۔ خیر ہم لوگ بلجیم کے دارالحکومت برسلز پہنچے۔ اس شہر کی خاص بات اور اہمیت کی وجہ یہاں پر یورپین کمیونٹی کا پارلیمنٹ ہاؤس ہے۔ ہم لوگ پہلے پارلیمنٹ ہاؤس کے صدر دروازے پر پہنچے۔ سیکورٹی والوں نے پوچھ گچھ کی تو ہم نے بتایا کہ ٹورسٹ ہیں۔ اور پارلیمنٹ ہاؤس دیکھنے کے لیے آئے ہیں۔ پھر انہوں نے قریب سے دیکھنے کی اجازت دے دی۔ یہ ایک خوبصورت عمارت ہے۔ باہر گیٹ کے ساتھ یورپ کے تمام ممالک کے رنگ برنگ جھنڈے لہرا رہے تھے۔ یہاں پر کچھ دیر گزارنے کے بعد ہم برسلز شہر میں داخل ہوئے۔ اس کی خوبصورتی، طرز بناء، صفائی اور نفاست اور عظیم الشان بلند وبالا بلڈنگوں نے متاثر کیا۔ یورپ کے دیگر کیپٹلز میں میں نے اس قدر بلند عمارات نہیں دیکھیں۔ جس قدر کہ برسلز میں ہیں۔ یہاں پر بڑی بڑی کمپنیوں کے دفاتر، تاریخی میوزیم ہیں۔ اور سینکڑوں سال پرانے مجسمے، چوک، فوارے، بڑے بڑے شاپنگ سنٹرز ہیں۔ بلجیم کی ویسے تو اور بہت ساری خصوصیات ہیں۔ لیکن یہاں کے چاقو، چھریاں، کٹر، شیشہ اور چینی کے برتن دنیا بھر میں مشہور ہیں۔
ہم نے شہر کے مختلف حصے دیکھے۔ میوزیم بھی دیکھے، پارلیمنٹ ہاؤس بھی گئے۔ قدیم چرچ بھی دیکھے چونکہ وقت کم تھا، اور جگہیں دیکھنی بہت زیادہ تھیں۔ اس لئے سارے شہر کی گاڑی میں ہی سرسری جائزہ لینے پر اکتفاء کیا۔ بلجیم کے سب سے تاریخی اور مشہور مقام پر گئے، یہ شہر کے وسط میں بنے ہوئے چند محلات اور عمارتیں ہیں۔ اور ان کے درمیان والی جگہ ہے۔ جہاں پر ہر سال رنگارنگ تازہ پھولوں سے بہت بڑا قالین تیار کیا جاتا ہے۔ اور اس کو دیکھنے کیلئے یورپ بھر سے لوگ آتے ہیں۔
اس کے ساتھ ہی گلی میں ایک عورت کا مجسمہ بنے۔ اور اس کے بارے میں مشہور ہے کہ جو شخص بھی اس پر ہاتھ پھیرے اس کی ہر تمنا پوری ہوتی ہے۔ سیاحوں کے لشکر کے لشکر اپنی ضعیف الاعتقادی کا ثبوت

دیتے ہوئے اپنا "دست عقیدت" پھیرنے کیلئے بے تابانہ قطاروں میں کھڑے تھے۔ اور گائیڈ حضرات جھوٹے افسانے سنا کر انہیں مزید بیوقوف بنا رہے تھے۔ میرے لیے یورپ میں یہ منظر بہت عجیب اور ناآشنا معلوم ہوا کہ ایک طرف تو مذہب سے اس قدر دوری اور سائنس و ٹیکنالوجی کے میدانوں میں اتنی ترقی اور دوسری جانب اس قدر دقیانوسی اور جاہلانہ توہم پرستی کا مظاہرہ-----

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بہرحال شام تک ہم بلجیم میں رہے۔ واپسی کے لئے دی ہیگ کی جانب رواں دواں ہوئے۔ رات ساڑھے نو بجے تک واپس ہیگ پہنچے۔ صبح فرانس جانے کے لئے میں نے ایمبیسی میں پاسپورٹ جمع کرایا۔ دوسرے دن پاسپورٹ پر ویزہ مل گیا۔ فرانس جانے کی تمنا اور خواہش مجھے پچھلی دفعہ ۱۹۹۲ء میں پہلی مرتبہ یورپ جانے کے وقت سے تھی۔ لیکن اس دفعہ مجھے لنڈن سے پیرس کا ویزہ نہیں لگا تھا۔ اور میں دل ہی مین اس کے دیکھنے کی تمنا لیکر پاکستان واپس ہوا تھا۔ خیر اس دفعہ ہیگ میں ویزہ لگ گیا تھا۔ یہاں سے پیرس کا ویزہ ضروری نہیں تھا۔ لیکن حفظ ما تقدم کے طور پر میں نے لگوالیا۔ اور ساتھ ہی ریلوے سٹیشن سے ٹکٹ بھی بک کروالیا۔ اسی دن ہم ہیگ کے قریب روٹاڈیم شہر پہنچے۔ یہاں پر یورپ کی سب سے بڑی بندر گاہ واقع ہے۔ ہم نے اس شہر کا چکر لگایا۔ ہمارے پہنچتے ہی بارش بھی شروع ہوگئی۔ اس لئے یہاں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے۔ اس شہر کی سب سے خوبصورت اور قابل دید چیز ایروماسٹ (Aero Mast) نامی ٹاور ہے۔ یہ بلند وبالا مینار اس خوبصورتی سے تعمیر کیا گیا ہے۔ کہ عقل انسانی اس کی بلندی اور طرز تعمیر پر دنگ رہ جاتی ہے۔ اس کے پہلی منزل پر ایک خوبصورت ریسٹورنٹ ہے۔ جہاں سے آپ سمندر کی وسعتوں اور شہر کے نظاروں سے لطف اندوز ہوسکتے ہیں۔ مزید اوپر جانے کیلئے چھوٹی لفٹ لگائی گئی ہے۔ جو آپ کو ٹاور کے آخری سرے تک پہنچاتی ہے۔ لیکن اس میں بیٹھنے کے لئے بڑی ہمت اور دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اکثر لوگ ریسٹورنٹ تک رسائی کو غنیمت جان کر یہیں پر دم لینے اور "آب ودانہ" کھانے پر اکتفاء کر لیتے ہیں۔ اور کچھ اہل ہمت اس رزق پر موت کو ترجیح دے کر کوتاہی پرواز کا طعنہ برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اور شاخ بلند تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد کم ہی ہوتی ہے۔ میں نے بھی اس مینار کا فطرتاً مہم جویانہ طبعیت سے مجبور ہوکر ٹکٹ لے لیا۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس تاریخی مینار کو بغیر سر کیئے چھوڑ دوں۔

میں نے دہلی کے قطب مینار کو صغرسنی کے باوجود سر کیا۔ اور حضرت والد صاحب کو بھی مجبوراً اپنے ساتھ اوپر لے گیا تھا۔ اسی طرح قاہرہ میں برج القاہرہ نامی عظیم مینار کے آخری منزل تک چڑھا تھا۔ مینار پاکستان کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔ سب سے بلندترین مینار ایفل ٹاور کے آخری سرے تک پہنچ کر ہی دم لیا-----بہرحال شام کو واپسی ہوئی۔ بارہ دن ہالینڈ میں گزارنے کے بعد اب مجھے اگلی منزلیں پکار رہی

تھیں۔

مرادِ منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم　　　　جرس فریاد می‌دارد کہ بر بندید محملہا

دوسرے دن چار بجے ہیگ کے سٹیشن سے میں تنہا روانہ ہوا۔ رشتہ داروں کو الوداع کہا۔ اور ٹرین میں اپنے ساتھ ہالینڈ کی خوشگوار یادوں، اپنے میزبانوں کی محبت اور انکے خلوص اور چاہتوں اور اپنے سامان کے بار گراں سمیت داخل ہوا۔ لیکن سیٹ بہت آگے والے ڈبہ میں تھی۔ اس قدر سامان کے ساتھ وہاں تک جانا بھی ایک صعب امر تھا۔ جب میں نے اپنی نشست سنبھالی اور اندرون خانہ نگاہ دوڑائی تو بلاشبہ یہ ٹرین ہمارے VVIP حضرات کے جہازوں سے بھی نفیس تر تھی۔ اس کی سیٹیں بھی ہوائی جہاز کی سیٹوں سے بدرجہا بہتر تھیں۔

اگرچہ اس ٹرین کا ٹکٹ مہنگا تھا لیکن پھر بھی سہولیات اور تیز رفتاری کے اعتبار سے کچھ زیادہ نہیں تھا۔ تقریباً ایک سو بیس گلڈر ہمارے میزبان نے پیرس تک ادا کر دیئے تھے۔ ڈبے میں بڑے بڑے شیشے نصب تھے۔ جس سے باہر کے مناظر بڑے خوبصورت لگتے تھے۔ تمام راستہ میں ان حسین اور دلکش مناظر سے محظوظ ہوتا رہا۔ راستہ میں کہیں بارش تھی تو کہیں دھوپ۔۔۔۔ دھوپ چھاؤں کا یہ خوشگوار سفر تقریباً ۴ گھنٹے تک جاری رہا۔ ہالینڈ میں ہماری ٹرین سرسبز کھیتوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ کسان جدید ترین زرعی مشینوں کے ذریعے کام کر رہے تھے۔ ٹرین ایک دو جگہوں پہ ایک آدھ منٹ کے لئے سواریوں کو اتارنے کے لئے رکی۔ اور پھر برق رفتاری سے منزلوں پہ منزلوں کو پھلانگتی ہوئی چلتی رہی۔ میں راستے بھر یورپ کی مادی اور سائنسی ترقی اور اخلاقی تنزل کے متعلق سوچتا رہا۔ اگرچہ یہ لوگ بھاپ ایندھن اور بجلی کی بدولت بہت آگے جا چکے ہیں۔ لیکن دوسری جانب حیاء سے عاری، مذہب سے بے زاری اور اخلاقی قدروں کی پامالی نے ان کو ہلاکت کی آخری سرحدوں پہ پہنچا دیا ہے۔

اہل مغرب دو متضاد راستوں پہ چل پڑے ہیں۔ اور دونوں پہ حد سے زیادہ تیز رفتاری کا نتیجہ مجھ سمیت آج ہر کوئی محسوس کر رہا ہے۔

ص　　حادثہ وہ جو ابھی گردش افلاک میں ہے
عکس اس کا میرے آئینہ ادراک میں ہے

میں انہی سوچوں میں گم تھا اور راستہ کٹ رہا تھا۔ ٹرین کی رفتار حیران کن حد تک زیادہ تھی لیکن اندر کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ صرف حسین مناظر تھے جو کسی خوبصورت خواب کی مانند شیشوں کے سامنے تیزی سے گزر رہے تھے۔ گاڑی میں ضروریات زندگی کا تمام سامان موجود تھا۔ کھانے پینے کا علیحدہ ڈبہ تھا۔ ٹرین کے ہر ڈبے میں انٹرنیشنل ٹیلی فون کی سہولت بھی موجود تھی۔ چلتی ہوئی گاڑی سے آپ دنیا کے کسی بھی حصے میں فون کر سکتے تھے۔ راستہ بھر میں پیرس کے بارے میں سوچتا رہا۔ کہ آیا سٹیشن پہ کوئی لینے آیا بھی ہوگا یا نہیں۔ انہی وساوس اور اوہام میں مستغرق تھا۔ کہ اتنے میں فرینچ زبان میں اناؤنسمٹ ہوئی کہ پیرس کا اسٹیشن قریب پہنچ چکا ہے۔　　(((جاری ہے)))۔

شفیق فاروقی

عالم اسلام میں کیا ہو رہا ہے؟

طالبان کی حکومت میں خواتین کا مقام

طالبان کابل میں بیٹھے بٹھائے تیس ہزار خواتین کو ماہانہ تنخواہ دے رہے ہیں۔ یہ وہ خواتین ہیں جو کمیونسٹوں اور ربانی کے دور حکومت میں کابل کے مخلوط غیر شرعی نظام سے منسلک تھیں۔ اور جن کو ربانی کی نام نہاد اسلامی حکومت نے مردوں کے شانہ بشانہ حجاب کے بغیر دفاتر، کالجوں اور دیگر اداروں میں متعین کیا ہوا تھا۔ یہ انکشاف طالبان کے ترجمان وزیر خزانہ، عالی شوری کے رکن مولوی احسان اللہ احسان، نے کیا، ترجمان نے کہا کہ جو لوگ طالبان کو خواتین کے حقوق کے حوالہ سے بدنام کرتے ہیں۔ بلکہ بے بنیاد پروپیگنڈے کر کے کابل کی خواتین کو طالبان کے خلاف بھڑکاتے ہیں۔ طالبان کا گھروں میں بیٹھی خواتین کو تنخواہ دینا ان کے لئے تازیانہ ہے۔ ترجمان نے مزید کہا کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ دنیا کے بڑے سے بڑے ترقی یافتہ ملک نے آج تک خواتین کی اتنی بڑی تعداد کا کام کئے بغیر محض انسانی بنیادوں پر کبھی کوئی تعاون نہیں کیا، ایک سوال کے جواب میں طالبان کی شوری کے رکن نے کہا کہ کابل میں خواتین کے حقوق کے مسئلہ نے اقوام متحدہ، ایمنسٹی انٹرنیشنل اور دیگر عالمی اداروں کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔ اب دنیا کو پتہ چل جانا چاہئے کہ اقوام متحدہ سمیت اغیار کے عالمی رفاہی ادارے خواتین کے حقوق کا نام، مسلمانوں کے معاشرہ کو تباہ کرنے کے لیے لیتے ہیں۔ وہ حقوق کے عنوان سے مسلمان خواتین کو بے حجاب کر کے انہیں بے عزت کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسلامی اقدار کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

طالبان کے ترجمان نے کابل کی خواتین اور بالخصوص طالبات کو یہود و نصاریٰ کے خطرناک عزائم سے خبردار کرتے ہوئے کہا کہ درحقیقت دشمنان اسلام بہن بھائیوں یعنی طالبان اور خواتین کے درمیان نفرت کا بیج بو کر ہمیں اسلام کے پاکیزہ معاشرہ سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ طالبان اپنی تمام مسلمان بہنوں کی آبرو کے محافظ بھی ہیں۔ اور انکے تمام شرعی و انسانی حقوق کے ضامن بھی، ترجمان نے کابل کی خواتین سے کہا کہ اگر اقوام متحدہ کا ادارہ اپنے دعویٰ میں سچا ہوتا تو وہ طالبان کی خواتین کو محنت و مزدوری کے بغیر گھروں میں تنخواہ پہنچانے کے اقدام میں تعاون کرتا۔ حالانکہ کسی عالمی ادارے نے طالبان کی اپیل کے باوجود کابل کی بے روزگار خواتین کے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔ مولوی احسان اللہ نے خواتین کو یاد دلایا کہ انہوں نے جو پردہ کا حکم نافذ کیا ہے تو یہ ان کی طرف سے نہیں بلکہ قرآن و حدیث کا حکم قطعی ہے۔ جس پر ایمان لانا سب مسلمانوں پر فرض ہے۔ لہذا پردہ پر اعتراض قرآن و حدیث پر اعتراض ہے۔ جو صریح کفر ہے۔

قندھار[54] کے

بین الاقوامی ہوائی اڈہ کی چار لاکھ ڈالر سے تعمیر نو

قندھار کے بین الاقوامی ہوائی اڈہ کی تعمیر نو پر اب تک چار لاکھ ڈالر سے زائد خرچ ہوچکا ہے۔ اور سب رقم طالبان حکومت کی فضائیہ کے حکام اور طالبان کی وہ تنخواہ ہے جو سابق حکومتوں میں افسران کے لیے مقرر تھی۔ یہ انکشاف طالبان حکومت کی فضائیہ کے سربراہ، عالی شوری کے رکن جناب ملا محمد اختر منصور نے کیا۔ ملا اختر منصور نے کہا کہ ہوائی اڈہ ربانی دور میں بالکل تباہ ہوچکا تھا۔ اب جو بھی تعمیر و ترقی یہاں نظر آرہی ہے سب طالبان نے کی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں فضائیہ کے سربراہ نے کہا کہ اب تک ہوائی ادہ پر چار لاکھ ڈالر سے زائد خرچ ہوچکے ہیں، یہ ہماری فضائیہ کے مسئولین کی تنخواہ ہے۔ ملا اختر منصور نے کہا کہ خود میری تنخواہ تقریباً دو ہزار ڈالر ہے۔ جو سب ملک کی تعمیر نو پر صرف ہورہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کو امید ہے کہ وہ ملک کو جلد ہی تعمیر و ترقی سے مزین کرسکیں گے اور اس کے لئے بیت المال پر الگ سے بوجھ نہیں پڑے گا جب کہ ہوائی اڈہ کی تعمیر کے لئے بیت المال سے کوئی بجٹ نہیں لیا گیا۔

....

امریکی سیاست میں مسلمانوں کی دلچسپی

امریکی مسلمانوں نے امریکی سیاسی زندگی کے معرکہ میں اپنا قدم رکھ دیا ہے۔ نیز وہ ایسی سرگرم تنظیموں کی تشکیل کررہے ہیں۔ جو امریکی الیکشن پر اثر انداز ہوسکیں، یہ بات امریکی پروفیسر جان اسپوزیٹو نے کہی۔ جو جارج ٹاون یونیورسٹی میں اسلامی، مسیحی مفاہمت کمیٹی کے رکن ہیں۔ یہ انہوں نے اس فعال اشتراک کے سلسلہ میں کہا۔ جو امریکی مسلمانوں نے صدارتی اور کانگریس کے الیکشن میں انجام دیا، اس الیکشن میں صدر بل کلنٹن کانگریس اور سینٹ میں بھاری اکثریت کے ساتھ دوسری بار کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔

غالباً یہ وہ پہلا موقع ہے۔ جب امریکہ کے اندر مسلمانوں نے سیاسی سطح پر پورے جوش وخروش اور سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا ہے۔ جب کہ اب تک وہ اپنے دینی، معاشرتی اور اقتصادی مسائل و مشکلات میں منہمک اور سرگرداں تھے۔ دوسری جانب یہودی لابی زندگی کے تمام عناصر پر حاوی تھی، حالانکہ امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد یہودیوں سے زیادہ ہے۔ اور وہاں مسلمانوں کی آبادی ساٹھ لاکھ سے اوپر ہے۔ جبکہ یہودیوں کی تعداد پچاس لاکھ سے قطعاً زائد نہیں اور اس میں بھی وہ ڈیمو کریٹ اور ریپبلکن پارٹیوں میں منقسم ہیں۔

یہ پہلا اتفاق ہے جب امریکیوں نے امریکی عرب امیدواروں کا کانگریس، سینٹ، ریاستی الیکشن میں مشاہدہ کیا، امریکی انسٹی ٹیوٹ کی رپورٹ کے مطابق ریپبلکن اور ڈیمو کریٹ پارٹیوں میں انتخابی عہدوں کے لیے عرب نمائندوں کی تعداد ۲۷ تھی۔ اور ریپبلکن نشستوں پر ۹ عرب امیدوار تھے۔ اور ۲۸ امیدوار ڈیمو کریٹ سیٹوں پر۔ عرب امریکی انسٹی ٹیوٹ نے الیکشن سے قبل عربوں میں رائے شماری کی تو پتہ چلا کہ ان میں سے ۴۲% ریپبلکن پارٹی کی تائید حاصل ہے۔ لیکن افسوس کے ساتھ یہ دیکھا گیا کہ امریکی تاریخ میں یہ پہلی بار ہوا ہے۔ کہ اسلامی تنظیموں نے امریکی سطح پر ایک بیان جاری کیا۔ جس میں امریکی مسلمانوں سے صدارت کے لئے کسی معین امیدوار کے لیے ووٹ ڈالنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اسلامی امریکی اکیڈمی نے (جو امریکہ میں ایک ایسے پلیٹ فارم کی حیثیت رکھتی ہے جس سے دیگر تمام اسلامی تنظیمیں جڑی ہوئی ہیں) اپنے بیان میں امریکی صدر بل کلنٹن کو منتخب کرنے کی اپیل کی اور اکیڈمی نے امریکی الیکشن کے سلسلہ میں مسلمانوں کے نقطہ نظر کی رپورٹ کے ذریعہ بتایا کہ ۵۹% لوگ بل کلنٹن کے موید ہیں اور ۱۶% رابرٹ ڈول کے اور ۴% روس ہیرو کے۔ جبکہ ان میں سے ۲۲% نے صدارتی الیکشن کے سلسلہ میں اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کی۔

ایک سیاسی کارکردگی کی تنظیم نے "صدارت کے لیے کلنٹن" کے عنوان سے اپنے ایک بیان میں اس الیکشن میں کلنٹن کی حمایت کا اعلان کیا اس لئے کہ وہ پہلے صدر ہیں۔ جنہوں نے ماہ رمضان المبارک کی حیثیت کو تسلیم کیا، اور عید کے موقع پر مسلمانوں کو مبارک باد پیش کی۔ کانگریس کے اجلاس کا قرآن کریم کی تلاوت سے آغاز کیا۔ نیز امریکی فوج میں ائمہ کی بھرتی کی اور امریکا میں مسلمان وفود کا استقبال کیا۔ امریکی الیکشن میں مسلمانوں کی اس زبردست شمولیت کے باوجود اسپوزیٹو کے مطابق ایک ہی نمائندہ یعنی صدر کلنٹن اور ایک ہی پارٹی ڈیمو کریٹک فرنٹ کی تائید کر کے اپنے وزن کو گھٹا دیا ہے۔ اور اس کا ان پر اثر پڑنا یقینی ہے۔ نیز یہودیوں نے سیاسی اور اقتصادی محاذ پر بڑی لابی تشکیل دے رکھی ہے۔ اور وہ دونوں پارٹیوں کے کلیدی عہدوں پر فائز ہیں اور ان کو کانگریس کے اراکین کی جانب سے بہت زیادہ ہمدردی حاصل ہے۔ اور ان کی سیاسی طاقت دونوں پارٹیوں میں تقسیم ہے۔ ان میں سے ۶۶% سے ۸۹% کی تعداد نے موجودہ الیکشن میں ڈیموکریٹک پارٹی کے حق میں ووٹ دئیے۔ جبکہ یہودی سیاسی سرگرمی کی تنظیم نے فیڈرل انتخابی تنظیم کی رپورٹ کے مطابق اس سال اپنی آمدنی میں سے ۴۶% حصہ سے جمہوری امیدواروں کا تعاون کیا ہے۔

بہر حال جو اقدام مسلمانوں نے باہمی اشتراک و تعاون سے سیاسی امور میں اٹھایا ہے اس کو آئندہ الیکشن میں مزید جلا ملے گی۔ اور اس کی بناء پر امریکہ مسلمانوں کی حالت کے بارے میں مثبت ردعمل ہو گا۔ اور انشاء اللہ ہم دیکھیں گے کہ امریکی الیکشن میں تعداد اور وسائل کے حساب سے اسلام کا مزید بول بالا ہو گا۔

(بشکریہ الدعوۃ مکہ مکرمہ)

....

جناب حافظ محمد اقبال رنگونی
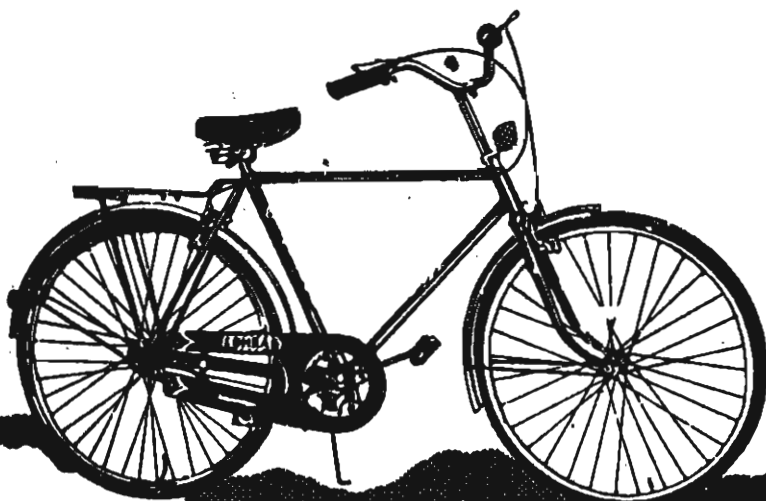
لینے اور دینے کا ترازو ایک رکھیئے

میڈیا میں مسلمانوں کو بدنام کرنے کی نہ رکنے والی مہم

۱۹ دسمبر ۱۹۹۶ء کو پیرو دارالخلافہ لیما میں ملک کے باغیوں کا ایک گروہ ایک دھماکہ کے ذریعہ جاپانی سفارت خانہ میں داخل ہوا۔ جہاں ایک تقریب میں موجود چار سو کے قریب افراد کو یرغمال بنالیا جن میں بہت سے غیر ملکی سفراء بھی تھے۔ باغیوں نے مطالبہ کیا کہ لیما کی جیل میں موجود انکے ساتھیوں اور رہنماؤں کو رہا کیا جائے، بصورت دیگر ان سب کو قتل کر دیا جائے گا۔ تازہ اطلاع کے مطابق ان میں سے کچھ افراد کو رہا کیا جا چکا ہے۔ تاہم تین سو سے زائد افراد ابھی تک باغیوں کی حراست میں ہیں۔ اور نمائندوں کے ذریعہ گفت و شنید کا سلسلہ جاری ہے۔ ملک صدر نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے۔ کہ خون خرابہ کے بغیر اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اور امید کی جاتی ہے۔ کہ کرسمس سے قبل یہ مسئلہ حل کر لیا جائے گا۔

ہماری ان سطور کے شائع ہونے تک یہ معاملہ کسی کنارے لگا ہو گا۔ اور بہت ممکن ہے کہ اسے قصہ پارینہ کی صف میں جگہ دی جا چکی ہو۔ لیکن ہمیں اس وقت اس سلسلے میں یورپ کے ذرائع ابلاغ کے ایک معاندانہ رویہ کی طرف توجہ دلانی مقصود ہے۔ کہ یورپ کے ذرائع ابلاغ کے ایک عیسائی ملک میں ہونے والے عیسائیوں کے ہاتھوں ہونے والے اغواء کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور اسی قسم کے بلکہ اس سے کم درجہ کی حرکت اگر کسی مسلمان سے ہو جاتی تو انکا رویہ کیا ہوتا ہے۔ اور وہ اس سارے واقعہ کو کس نقطہ نظر سے اچھالتے ہیں۔ ۲۲ دسمبر کی شام برطانیہ کے مشہور نشریاتی چینل اسکائی نیوز میں مذکورہ با اغوا کی تفصیلی خبر نشر ہوئی جس میں اس کاروائی کے ذمہ دار افراد اور گروہ کو گوریلا کے نام سے پکارا گیا اور انکی پر تشدد کاروائیوں کا بھی تذکرہ ہوا۔ پھر اسکے معابعد برطانیہ میں ہونے والی ایک مذہبی تقریب کے انعقاد کی خبر نشر کی گئی جو کشمیر میں اغواء ہونے والے چار عیسائیوں سے متعلق تھی۔ افسوس اور تعجب کی بات یہ ہے۔ کہ خبر پڑھنے والے نے جب یہ خبر پڑھی تو اس طرح پڑھی کہ کشمیر کے اسلامک گوریلا کے ہاتھوں اغواء ہونے افراد کیلئے ایک دعائیہ تقریب الخ

دنیا میں اغواء قتل وغارت گری اور پر تشدد کاروائیوں کے واقعات اور حادثات رونما ہوتے رہتے ہیں۔

عیسائی بھی یہ حرکتیں کرتے ہیں اور مسلمان بھی۔ہندو بھی اس طرح کی کاروائیوں میں ملوث ہوتے ہیں۔اور یہودی بھی۔لیکن آپ نے کبھی یورپ کے ذرائع ابلاغ کو یہ کہتے نہیں سنا ہوگا کہ عیسائی گوریلے اس قبیح حرکت میں ملوث ہیں۔سری لنکا اور ہندوستان کے ہندو گوریلا دھماکے کر رہے ہیں اسرائیل کے یہودی انسانی حقوق کی توہین و تذلیل کا مسلسل ارتکاب کر رہے ہیں۔ کیتھولک گوریلے چرچ آف انگلینڈ اور پروٹسٹنٹ گوریلے کے الفاظ کبھی آپ نے نہیں سنے۔البتہ انکی زبانیں اور انکے قلم جب تک مسلم گوریلا۔ اسلامک گوریلا۔ جنونی اور متشدد مسلم کے الفاظ استعمال نہیں کریں نہ انکی خبریں پوری ہوتی ہیں نہ مضمون مکمل ہوتا ہے۔اور نہ ہی انکے دل کی بھڑاس نکلتی ہے۔
اغواء اور قتل و غارت گری اور بے گناہوں کے خون سے کھیلنا بیشک بڑا جرم ہے۔اسلام ہرگز اس قسم کی کاروائیوں کی اجازت نہیں دیتا اور نہ کسی نے یہ کہا ہے کہ اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے دوسروں کے عزت اور انکے خون سے کھیلو۔
قانون الہیٰ نے اس معاملے میں مسلم اور غیر مسلم دونوں کی رعایت اور حفاظت کی ہے۔اور ان لوگوں کو جو بدامنی کے ذمہ دار ہیں سخت سزا کا مستحق ٹھرایا ہے۔قرآن کریم کی آیت کریمہ ویسعون فی الارض فسادا (پ ٦ المائدہ) کے تحت ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا!
جب کوئی رہزنی کرے اور بدامنی پھیلائے تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس نے قتل کا ارتکاب بھی کیا ہے اور مال بھی لیا ہے۔ تو اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔پھر قتل کیا جائے گا۔اور پھانسی پر چڑھایا جائے گا اور اگر اس نے صرف قتل کیا ہے اور مال نہیں لوٹا تو اسے قتل کیا جائے گا۔ اور اگر صرف مال لوٹا ہے قتل نہیں کیا تو اس کا دایاں اور بایاں پیر کاٹا جائے گا اور اگر یہ صورت پیش آئی کہ اس نے نہ قتل کیا ہے نہ مال لوٹا ہے صرف ڈرایا دھمکایا ہے تو اسے جلاء وطن کر دیا جائے گا۔یہاں جلاء وطن کرنے سے مراد یہ ہے کہ اسے ایسی جگہ بھیج دیا جائے جہاں لوگ اسکی اذیت سے محفوظ ہوں اور اپنے کئے کی سزا بھی مل جائے۔علماء اسلام نے اسکی صورت قید بتائی ہے۔
سو اسلام کی نگاہ میں اس قسم کے جرائم ناقابل معافی جرم ہیں اور اسکی سزا موجود ہے مگر یہ کیا مذاق ہے۔ کہ اگر کسی مسلمان سے اس قسم کا جرم ہو جائے تو اسے اسلام کے سر تھوپ دیا جائے اور یہ پروپیگنڈہ کیا جائے کہ اسلام نے اس قسم کی کاروائیوں کی اجازت دی ہے۔فرد اور گروہ کی غلطی اور جرم کو مذہب کے سر تھوپنا ظلم اور غلط پروپیگنڈا ہے۔اگر مسلم اور اسلامک گوریلا کے الفاظ استعمال کئے بغیر خبریں اور تبصرے نامکمل رہتے ہیں تو عیسائی گوریلا، ہندو گوریلا اور یہودی گوریلا کہے بغیر خبریں اور مضامین نامکمل رہنی چاہئیں لینے اور دینے کا ترازو ایک ہونا چاہئے۔اور اگر مذہب کا نام لئے بغیر یہ بات کہی جاسکتی ہے اور اس گروہ کی مذمت کی جاسکتی ہے۔ تو پھر یہ فلسفہ مسلمانوں کے حق میں کیوں بدل جاتا ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

ہم سمجھتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے ذرائع ابلاغ کا یہ رویہ مسلم دشمنی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بات بات پر اسلام کو مطعون کرنا اور اکثر و بیشتر اسلامی روایات کو نشانہ تنقید بنانا واضح کرتا ہے۔ کہ یہ لوگ اسلام دشمنی میں بالکل اندھے ہو چکے ہیں۔ اور ہر وقت اسی دھن میں لگے رہتے ہیں۔ کہ جس طرح بھی بن پڑے اسلام اور مسلمانوں کی وہ تصویر بنائی جائے جس سے یورپ کے عوام اسلام سے بدظن اور متنفر ہو جائیں۔

اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں یہ خلاف حقیقت پروپیگنڈہ صرف یورپ کا میڈیا ہی نہیں بلکہ اس وقت قادیانی گروہ بھی اپنی نشریات میں اہل اسلام پر اپنے مغربی آقاؤں کے طرز اور اشارے پر حملہ آور ہے۔ یہ لوگ اہل اسلام کے عقائد واعمال کے بارے میں زہر آلودہ طنز کرتے اور طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کر کے امت مسلمہ کے نوجوانوں بالخصوص عرب نوجوانوں کو گمراہ کرنے میں دن رات مصروف عمل ہیں۔ ان سب کے پیش نظر سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ پوری دنیا میں مسلم قوم کو اسکے عقائد واعمال اور اخلاق و کردار میں اس حد تک بے آبرو کر دیا جائے کہ غیر مسلم اسلامی عقائد اور اسلامی تہذیب کے قریب نہ جائیں۔

ہمیں یورپ اور قادیانی میڈیا سے زیادہ افسوس اور تعجب عالم اسلام کے ذرائع ابلاغ پر ہے کہ عالم اسلام کا میڈیا ان حالات میں بھی یورپ کے ذرائع ابلاغ سے حد درجہ متاثر ہے۔ اور اسلامی معاشرے میں مغربی بولی بولنا وقت کا بڑا تقاضا اور فرنگی تخیلات سے عرب قوم کو آشنا کرنا بڑی خدمت سمجھتا ہے۔ اور اسی کو اپنی بڑی کامیابی جانتا ہے۔ کہ عرب قوم کو اسلامی روایات کے بجائے فرنگی تخیلات اور نظریات کا خوگر بنا دیا جائے۔ حکیم مشرق ڈاکٹر اقبال کے نزدیک یہ دراصل ابلیسی فرمان ہے جو وہ اپنے سیاسی طالع آزماؤں کو دے رہا ہے۔

فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات　　　اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

عالم اسلام کی حکومتوں اور دنیا بھر کے مسلم دانشوروں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ یورپ اور قادیانیوں کے اس شر انگیز اور گمراہ کن پروپیگنڈے کے ازالہ کے لئے موثر حکمت عملی اپنائیں۔ اور میڈیا میں اپنے ہاتھ زیادہ سے زیادہ مضبوط کریں اور امت مسلمہ کو ایک امت سمجھیں گو وہ کسی ملک میں ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی ممالک کو ہر قسم کی نعمتوں سے نوازا ہے اور وسائل و ذرائع کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ غفلت و تساہل کا پردہ چاک کرتے ہوئے ہم خود ایک قوت بن جائیں اور میڈیا پر چھا جائیں۔

ہم ان مغربی قوموں اور انکے ذرائع ابلاغ کو اس موقع پر یہ کہنا مناسب سمجھتے ہیں کہ

غیر کی آنکھوں کا تجھ کو تنکا آتا ہے نظر　　　دیکھ غافل آنکھ اپنی کا ذرا شہتیر بھی

عبدالوھاب مروت

دارالعلوم کے شب و روز

نئے تعلیمی سال کا آغاز

دارالعلوم میں نئے تعلیمی سال کے داخلے ۱۳شوال بمطابق ۲۰فروری کو شروع ہوئے اور ۲۶شوال مطابق ۲۲مارچ تک جاری رہے۔چونکہ طلباء کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے اس لئے ہر کلاس میں محدود تعداد میں طلباء کو داخلہ مل سکا اور رش سے بچنے کیلئے ہر درجہ کیلئے الگ الگ تاریخ مقرر ہوئی تھی۔جن طلباء کو داخلہ فارم مل جاتا انکا باقاعدہ تحریری امتحان ظہر کے بعد لیا جاتا اور صرف کامیاب طلباء کو داخلہ کا مستحق قرار دیا جاتا جس کا اعلان اگلے روز اعلان گاہ میں لگایا جاتا۔یہ سلسلہ تیرہ دن تک جاری رہا اس کے بعد ہر درجے میں داخلہ بند کر دیا گیا۔دورہ حدیث شریف میں امسال بھی صرف ساڑھے چارسو خوش نصیبوں کو مل سکا۔

۵مارچ بروزبدھ کو نئے تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب منعقد ہوئی۔یہ تقریب جدید دارالحدیث "ایوان شریعت"میں انجام پذیر ہوئی۔

اس مبارک تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔حضرت الشیخ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت بر کاتہم نے ترمذی شریف کی پہلی حدیث کا درس دیا۔اور اس کے بعد مفصل خطاب فرمایا۔آپ نے نئے آنے والے طلباء کو مرحبا اور خوش آمدید کہی۔مدرسے کے قواعد وضوابط پر بسط سے روشنی ڈالی اور طلباء کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔آپ نے طلباء کو پیش آمدہ چیلنجوں سے خبر دار کیا اور بتایا کہ آج ساری دنیائے کفر کی نگاہیں آپ پر لگی ہوئی ہیں۔آپ کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔اور آپ نے پوری دنیا کی امامت کرنی ہے۔نئے عالم کی تعمیر کی ذمہ داری آپ کے کندھوں پر ہے۔لہذا پوری ذمہ داری کے ساتھ اس چیلنج کا سامنا کرنا ہے۔آپ نے دارالعلوم کی اب تک کی تعلیمی و تعمیری ترقی کا جائزہ پیش کیا۔

آخر میں شیخ الحدیث حضرت مولانا شیر علی شاہ دامت بر کاتہم کی دعاؤں پر یہ مبارک تقریب اختتام پذیر ہوئی

مستقل دس رکنی کمیٹی کا قیام،اجلاس اور چند اہم فیصلے۔

نئے تعلیمی سال کے آغاز کے موقع پر دارالعلوم میں ایک دس رکنی کمیٹی کا اجلاس عمل میں لایا گیا۔

اسی دن اس کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔جس میں فیصلہ کیا گیا کہ ہر ماہ کے پہلے عشرہ میں بروز پیر اس کمیٹی کا اجلاس ہوا کرے گا۔یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ، کمیٹی مہینے میں کم از کم ایک مرتبہ شیوخ دارالعلوم

میں سے کسی ایک کے اصلاحی خطاب کا انعقاد کرے گی۔

حضرت مولانا سید شیر علی شاہ دامت برکاتہم کی دار العلوم میں تقرری

حضرت شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ المدنی دامت برکاتہم دارالعلوم حقانیہ کے قدیم فاضل اور حضرت اقدس مولانا عبد الحق نور اللہ مرقدہ کے اجلہ تلامذہ میں سے ہیں۔یہاں سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ دارالعلوم میں ہی تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔لیکن بعد میں حضرت شیخ کی خواہش پر مدینہ منورہ کی عظیم اسلامی یونیورسٹی تشریف لے گئے۔وہاں اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے اور تفسیر میں ڈاکٹریٹ کیا اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔پاکستان کے مختلف جامعات میں سعودی وزارت اوقاف کی جانب سے مبعوث ہوئے۔آخری بار حضرت مولانا جلال الدین حقانی کے جامعہ منبع العلوم میران شاہ میں شیخ الحدیث تھے۔دارالعلوم اور حضرت مولانا عبد الحق قدس سرہ کی پرانی خواہش تھی کہ آپ دارالعلوم میں دوبارہ آئیں۔اور اس کیلئے بار بار کوششیں بھی ہوئیں۔آخر کار حضرت مولانا سمیع الحق دامت برکاتہم کی پر زور اصرار پر مادر علمی میں خدمت حدیث کے لئے آمادہ ہو گئے۔

درجہ تخصص فی الفقہ کا دوبارہ اجراء

دارالعلوم میں الحمدللہ کافی عرصہ تک تخصص فی الفقہ باقاعدگی سے ہوتا رہا ہے۔لیکن پچھلے دو سال سے یہ سلسلہ چند وجوہات کی بنا پر منقطع ہو گیا تھا۔لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا گیا ہے۔محدود تعداد میں سخت امتحان اور کڑی شرائط کے بعد صرف دس طالبعلموں کو داخلہ دیا گیا۔

فتاویٰ دار العلوم حقانیہ کی تدوین و ترتیب

دارالعلوم حقانیہ کے قیام سے لے کر اب تک یہاں سے لاکھوں کی تعداد میں فتوے نکل چکے ہیں۔جس کا مکمل ریکارڈ دارالعلوم میں محفوظ ہے۔جو کہ فقہ حنفی کا ایک عظیم ترین ذخیرہ ہے۔کافی عرصہ سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہے ان فتاوؤں کو مرتب کر کے شائع کیا جائے تو یہ فقہ حنفی کی ایک بہت بڑی ہو گی۔اور امت کے لئے یہ ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہو گی۔لہذا مہتمم دارالعلوم حقانیہ حضرت مولانا سمیع الحق دامت برکاتہم کی ذاتی دلچسپی کے باعث اب اس کی ترتیب کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔قارئین سے دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو بخیر و خوبی تکمیل تک پہنچائے۔

مختلف وفود کی دار العلوم آمد۔

۱۴مارچ کو اسلامی تحریک طالبان کا ایک وفد دارالعلوم تشریف لایا جو اپنے ساتھ امیر المومنین ملا محمد عمر آخند مد ظلہ کا حضرت مولانا سمیع الحق کے نام خصوصی پیغام بھی ہمراہ لایا تھا۔وفد نے دارالعلوم کے اساتذہ سے ملاقاتیں کیں اور انکی دعائیں لیں۔حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے وفد کو مختلف امور میں بیش قیمت مشورے دیئے اور اپنی طرف سے مکمل حمایت کا اعادہ کیا۔

اسی روز سابق نگران وزیر اعظم ملک غلام مصطفیٰ جتوئی دارالعلوم تشریف لائے اور حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ سے ملاقات کی اور ملک کی سیاسی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا۔بعد ازاں دارالعلوم کے مختلف شعبہ جات کا معائنہ کیا۔اور اندرون وبیرون ملک اس عظیم اسلامی یونیورسٹی کے خدمات کو سراہا

بقیہ صھ

ان کا حالیہ تازہ کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے جنیات (Genetic) کے شعبہ میں بھی جانوروں کے بعد اب اپنی مرضی کے انسان بنانے اور تخلیق کا دعوی کردیا ہے۔وہ فطرت اور قدرت کے کاموں میں دخل اندازی کرکے انسانوں کو نئے مسائل سے دوچار کرنا چاہتے ہیں۔کیا ان تجربات کی روشنی میں اب مستقبل میں انسان بھی فارمی مرغیوں کی طرح لیبارٹریوں میں تیار ہونگے؟۔

اور اب تو مغربی رہنما بھی اس تباہ کن اور انسانیت کش سائنسی تجربہ کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ نہیں نظر آتے۔اور کلون ٹیکنالوجی پر پابندیوں کا سوچ رہے ہیں۔حالانکہ اس کے ذمہ دار بھی یہی لوگ ہیں۔مغرب کے اس نئے فتنہ اور نئے گناہ کا موجد سکاٹ لینڈ کے سائنسدان ڈاکٹر ایان ولمٹ (IAN WILTMUT) ہے۔

بہرحال انہی لوگوں کے فراہم کردہ فنڈز نے ان کو اس مقام تک پہنچایا۔یورپ اور مغربی ممالک میں اس خبر سے ایک بھونچال آگیا ہے۔میڈیا اور نشریاتی ادارے اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا زور وشور سے تذکرہ کررہے ہیں۔لیکن برصغیر اور اسلامی دنیا اس بارے میں اپنی روایتی بے خبری اور لاپرواہی کا مظاہرہ کررہی ہے۔ماہنامہ "الحق" انسانی کردار، رشتوں کے تحفظ اور مذہبی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اس اہم اور حساس موضوع پر بہت کچھ شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔موجودہ شمارے میں اس سلسلے میں ایک اہم رپورٹ اخبار جہاں کے شکریہ کے ساتھ نذر قارئین ہے۔ہم امید رکھتے ہیں کہ محققین علماء اور سائنسی علوم سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس سلسلے میں اپنے گراں قدر مضامین اشاعت کے لئے جلد از جلد ارسال فرمائیں گے۔

ان اللہ بما تعملون خبیر

بیس (۲۰) مردانِ حق

مفتیں

مولانا رحمت اللہ کیرانوی	مولانا خیر محمد جالندھری
مولانا سید محمد علی مونگیری	مولانا محمد علی جالندھری
مولانا خلیل احمد سہارنپوری	مولانا محمد شفیع دیوبندی
خلیفہ غلام محمد دین پوری	مولانا سید محمد یوسف بنوری
مولانا ابو السعد احمد خان	مولانا مفتی محمود
مولانا محمد عبداللہ سلیم پوری	مولانا غلام اللہ خان
مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی	مولانا غلام غوث ہزاروی
مولانا محمد یوسف دہلوی	مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی
مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی	مولانا قاری محمد طیب قاسمی
مولانا عبدالرحمن کاملپوری	مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک

ترتیب
عبدالرشید ارشد

پہلی جلد صفحات ۱۰۲۸

دوسری جلد صفحات ۱۰۵۶

قیمت -/۷۵۰ روپے

ملنے کا پتہ :- کتب خانہ رشیدیہ دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی

REGD NO:P 90.MONTHLY.AL HAQ AKORA KHATTAK